عصمتِ انبیاء علیہم السّلام

حضرت مولانا مُبشّر احمد صاحب
استاذ حدیث جامعہ مدنیہ لاہور

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد : ربّ قدوس جلّ جلالہٗ نے جس طرح انسانی جسموں کی حیات اور بقاء کے لیے شمس و قمر اور ابر و باد اور مادی اغذیہ وادویہ کی لامحدود و بیشمار نعمتیں عنایت فرمائی ہیں اسی طرح اس نے ارواحِ انسانی کی تربیت و تقویت کے لیے روحانی و غیر فانی نعمات بھی عطا فرمائی ہیں ۔ ان سب کا سرچشمہ حق تعالیٰ کی شرعی وحی ہے جو صرف نوعِ انسانی میں ان معصوم طینت و مقدس فطرت شخصیات پر وحیًا نازل کی جاتی ہے ، جس کے سبب ان کا نام انبیاء و رسل ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء کو صاف و روشن امر اور رشد و ہدایت کے ساتھ مبعوث فرمایا نیز ان کے سینوں میں اپنی ذات و صفات کے معارف رکھے ، ان پر اپنی قدرت سے نادر و قائع ظاہر کیئے ۔ حجۃ الاسلام الشاہ ولی اللہ الدھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : واجب الوجود کی تجلی جس مظہر پر عکس ریز ہوتی ہے وہ مظہر اس تجلی کے رنگ میں اس طرح مصبوغ ہوتا ہے کہ من وجہ وہ واجب الوجود کا عین نظر آتا ہے ، وہ مظہر اتم نبی کی ذات ہے[1]

نیز آدمؑ کو جس طینت سے مرتب و مربوط کیا گیا وہ طین الجنۃ تھی وہ اس کے بعد جنت ارضی میں مسکون ہوئے[2] تجلی الٰہی کے مظہر اتم اور مُطہرہ و مُنَزّہ اصل اور خمیر سے بنا ہوا وجود معصوم وہ انبیاء علیہم السّلام کا ہی وجود ہے ، اسی بنا پر جمہور علماء و امت مسلمہ کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء معصوم ہیں

---

[1] تاویل احادیث ص۱۶

[2] تفسیر الہام الرحمٰن ج اوّل ص۹۳ قصص الانبیاء للنجار مصری ص۹ العقائد الاسلامیہ ص۱۰۱ للسید السابق : نبراس علی شرح العقائد النسفی ص۱۳۵ ۔

اور عصمت خاصۂ انبیاء رہے ۔

عصمت کا لغوی مفہوم

عِصْمَۃٌ کی جمع عِصَمٌ آتی ہے کما فی التنزیل وَلَا تُمْسِکُوْا بِعِصَمِ الْکَوَافِرِ مفردات میں امام راغب اصفہانی تحریر فرماتے ہیں :

اَلْعِصَمُ اَلْاِمْسَاكُ والاعتصام ۔ الاستمساك كما قال تعالیٰ لاعاصم اليوم ای لاشئ يعصم منه يعنی ان العاصم بمعنی المعصوم قال تعالیٰ وَاللّٰہُ یَعْصِمُكَ من الناس ۔

(یعنی عصمت کا معنی امساک ہے اور اعتصام کا معنی استمساک ہے اور لا عاصم الیوم کا معنی لاشئ یعصم منہ ہے) یعنی کوئی شئ اس سے نہیں بچ سکتی ۔

فلهذا عصمة الانبياء ای حفظه اياهم ۔

(تو اب عصمت الانبیاء کا معنی ہے ان کو بچانا اور محفوظ کرنا)

اولا ۔ بما خصّهم به من صفاء الجوهر ثم بما ولّاهم من الفضائل الجسميه والنفسية ثم بالنصرة وتثبيت اقدامهم ثم بانزال السكينة عليهم و بحفظ قلوبهم بالتوفيق [1]

(یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت اس طرح کی کہ اولاً ان کو جوہر مصفّٰی بنایا انہیں فضائل جسمیہ و نفسیہ سے نوازا ثالثاً ان کی نصرت فرمائی رابعاً ان کو ثابت قدمی عطا کی خامساً ان پر سکینہ نازل فرمائی اور ان کے قلوب کو اپنی خاص توفیق سے محفوظ کر دیا) ۔

لغات [2] القرآن ج ۴ ص ۳۱۷ پر عصمت بمعنی رسی لیا گیا

---

[1] المفردات فی غریب القرآن ص ۳۴۱

[2] لغات القرآن ج ۴ ص ۳۱۷ ، کشاف

ہے یہی معنیٰ زجاج و محمد بن نشوان و امام ابوبکر نے نزہت القلوب میں نقل کیا ہے وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ کا ترجمہ ہے اور نہ روک رکھو اپنے قبضہ میں ناموس عورتوں کے۔

اس لحاظ سے عصمت الأنبیاء کا ترجمہ ہوا حبل الله المتين للانبياء۔ انبیاء کے لیے اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی: كما قال تعالى وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ: اللہ تعالیٰ کی رسی ہر نقص سے محفوظ ہوتی ہے تو اس بنا پر انبیاء بھی ہر نقص سے محفوظ ہوتے ہیں؟

تعریفِ عصمت

تفسیر معارف القرآن[1] میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں عصمت کا معنی ہے ظاہراً و باطناً مداخلت نفس و شیطن سے منزّہ ہونا۔

اور مادہ معصیت بھی یہی دو چیزیں ہیں مادہ معصیت سے پاک ہونے کا نام عصمت ہے اور معصوم وہ شخص ہے جو اپنے تمام اعتقادات و نیات و ارادات و عبادات و عادات و معاملات و اقوال و افعال میں نفس و شیطان کی مداخلت سے محفوظ ہو اور حفاظت غیبی اس کی محافظ اور نگہبان ہو کہ ان سے کوئی ایسی شئی سرزد نہ ہو جائے۔ کہ ان کے دامن عصمت کو آلودہ کر سکے۔ حق جل شانہ کی نظر عنایت اور فرشتوں کی محافظت ان کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہو جو کشاں کشاں انہیں اپنی محافظت میں راہِ راست پر چلاتی ہو اور خلاف حق کے میلان سے بھی ان کی مانع ہو۔

حق جل شانہ نے قرآن کریم میں انبیاء کرام کو مرتضیٰ اور مصطفین الاخیار اور عباد مخلصین فرمایا ہے۔

كما قال إِنَّا أَخْلَصْنَاهُم بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ وَإِنَّهُمْ عِندَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ: إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ۔

بے شک ہم نے ان کو خالص کر دیا ہے: اور ہم نے ان کو پسندیدہ لوگوں میں سے بنایا ہے مگر ان میں سے مخلص بندے۔

جس سے من کل الوجوہ ارتضاء اور اصطفاء اور اخلاص کامل مراد ہے اور مخلص وہ ہے جو خالص اللہ کا ہو غیر اللہ کا اس میں شائبہ نہ ہو یعنی مادہ شیطانی سے بالکلیہ پاک ہو۔ لہٰذا ضروری

---

[1] معارف القرآن ج اول ص ۱۰۰ عصمت انبیاء للامام فخر الدین الرازی ص ۲، نبراس ص ۵۳۱

ہوا کہ نبی صغائر و کبائر دونوں سے معصوم ہو اور حق جل شانہ کے اس ارشاد اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ میں مِنْ بیانیہ ہے اور لفظ رسول نکرہ لایا گیا ہے معلوم ہوا کہ ہر رسول کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ خداوند قدوس کا برگزیدہ و مختار ہو اور بلا شرکت غیرے خالص اللہ کا بندہ ہو اور ظاہر ہے کہ ان آیات میں بعض وجوہ میں پسندیدگی مراد نہیں، بلکہ من کل الوجوہ مراد ہے کیونکہ بعض وجوہ سے تو ہر مسلمان خدا کا پسندیدہ ہوتا ہے۔ ارتضاء واصطفاء باب افتعال سے ہے جو اپنے لیے ہوتا ہے اکتیال واتزان اپنے لیے کیل و وزن کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون۔

(بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے کہ جب لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا پورا لیں)

تو اب اس قاعدہ لغویہ کی بنا پر اصطفاء و ارتضاء کے معنی اپنے لیے پسندیدہ اور برگزیدہ بنانے کے ہیں۔ پس عصمت کا حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تمام اخلاق و ملکات و عادات و حالات و اقوال و افعال و عبادات و معاملات میں سرتاپا پسندیدہ خداوندی اور برگزیدۂ ایزدی ہوتے ہیں: ظاہرًا و باطنًا دخل شیطانی اور عوارض نفسانی سے پاک اور منزہ ہوتے، اور ایک لمحے کے لیے بھی عنایت ربانی و حمایت یزدانی سے علیحدہ نہیں ہوتے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ حضرات انبیاء کی بے چون و چرا اطاعت فرض ہے اور ان کا ہر قول و ہر فعل قابل قبول ہے اور ان کی اطاعت سے انحراف شقاوت ابدی و خسرانِ دارین کا موجب ہے۔

اگر بمقتضائے بشریت انبیاء سے کوئی لغزش بطور سہو و نسیان صادر ہو جاتی ہے تو وہ باہر سے آتی ہے اندر سے نہیں آتی جیسے آبِ گرم میں حرارت خارجی اثر سے آتی ہے پانی میں مادہ حرارت کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا، پانی کی طبیعت میں سوائے برودت کے کچھ بھی نہیں، یہی وجہ ہے کہ پانی جتنا گرم ہو اگر آگ پر ڈال دیا جاوے تو آگ فورًا بجھ جاتی ہے اسی طرح حضرات انبیاء کا باطن مادۂ معصیت سے بالکل منزہ ہوتا ہے اگر کوئی غبار خارجی اثر سے انبیاء کے چہرہ پر پڑے تو فورًا دستِ قدرت اس باہر سے آنے والے غبار کو چہرۂ عصمت سے صاف کر دیتا

ہے اور چہرۂ نبوت پہلے سے بھی زیادہ صاف و روشن ہوجاتا ہے۔ کما قال تعالیٰ
كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ یعنی ہم نے سوء و فحشا کو یوسف علیہ
السلام سے دور رکھا۔ معلوم ہوا کہ برائیاں خود انبیاء سے دور بھاگتی ہیں، جب برائی ہی نزدیک
نہیں آئے گی تو نبی سے خطا کیسے سرزد ہو سکے گی۔

معصیت کا معنیٰ

معصیت (گناہ) مطلق مخالفتِ حکم کا نام نہیں بلکہ معصیت اس مخالفت کو کہتے ہیں جو عمداً و قصداً ہو بوجہ نسیان و غلطی نہ ہو: یہی وجہ ہے کہ موقع عذر میں یوں کہا کرتے ہیں کہ میں بھول گیا اور معذرت قبول کر لی جاتی ہے معلوم ہوا مطلق مخالفت کا نام معصیت نہیں بلکہ معصیت اس مخالفت حکم کو کہتے ہیں جو عمداً ہو۔ اور جو مخالفت سہو و نسیان کی بناء پر ہو اس کو زَلَّت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور زلّت (فتح زا کے ساتھ) کا معنی ہے بلا ارادہ و اختیار قدم پھسلنا[1]

بعض اوقات ادباً بھی مخالفت حکم کی جاتی ہے اور وہ معصیت نہیں جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ میں لفظ رسول اللہ مٹا دینے سے انکار، اور حضرت آدم علیہ السلام کا اکل الشجرہ سہواً و نسیاناً تھا کما قال تعالیٰ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔

نیز آدم علیہ السلام کا سہو و نسیان شیطانی دھوکا کی بناء پر تھا جیسا کہ آیت مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ اس پر دلالت کرتی ہے۔

نیز بتقاضائے عظمت بھی تھا اس لیے کہ جب شیطان نے یہ قسم کھائی وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ تو حضرت آدمؑ کو یہ شبہ بھی نہیں ہوا کہ خدا کا نام لے کر کوئی کذب بیانی کرے گا۔ وہ یہ سمجھے کہ بندہ خدا تعالیٰ کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا۔ پس معلوم ہو گیا کہ حضرت آدم کا یہ فعل قصداً و ارادۃً نہ تھا اور نہ بتقاضائے ہوائے نفسانی تھا بلکہ بتقاضائے عظمت و محبتِ خداوندی تھا۔ مگر دشمن نے ایسا دھوکا دیا کہ قدم پھسل کر دوسری طرف

---

[1] معارف القرآن ج ۱ ص ۹۹، عصمت الانبیاء للرازی ص ۱۲

جا پڑا اسی کو "فَاَزَلَّهُمَا الشَّیطَانُ" اور "فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ" فرمایا گیا ہے۔

پس جن آیات میں اس فعل پر معصیت کا اطلاق کیا گیا ہے وہ محض ظاہر اور صورت کے اعتبار سے ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے نہیں۔ یا ان کے بلند مقام اور عالی رتبہ کی نسبت سے عصیان کہا گیا ہے

حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ [1]

حضرات انبیاء کی خطا کے معنیٰ یہ ہیں کہ افضل اور اولیٰ سے چوک گئے اور اوروں کی خطا کے معنی یہ ہیں کہ حق و ہدایت سے چوک گئے۔ انبیاء عزیمت کی بجائے رخصت پر عمل کرتے حضرت آدم علیہ السّلام کی زلّت کو اسی معنی پر محمول کرنا چاہیے۔ معاذ اللہ انبیاء ہماری طرح اسیر حرص و شہوت نہیں ہوتے، ورنہ بے چوں و چرا ان کی اطاعت فرض عین نہ ہوتی [2]

متعلقاتِ عصمت

امام رازی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ عصمت کا تعلق چار چیزوں سے ہے اول عقائد دوم تبلیغ احکام۔ سوم فتویٰ و اجتہادات۔ چہارم افعال و عادات و سیرت و کردار۔

قسم اوّل عقائد کے متعلق اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ انبیاء کرام ابتداہی سے توحید اور ایمان پر مفطور ہوتے ہیں۔ جب سے پیدا ہوتے ہیں اسی وقت سے ان کے قلوب کفر اور شرک سے پاک و منزّہ اور ایقان و عرفان سے لبریز ہوتے ہیں اور ان کے مبارک چہرے معرفت اور قرب الٰہی کے انوار و تجلیات سے ہر وقت جگمگاتے ہیں آج تک کسی تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ حضرت حق جل شانہٗ نے اپنی نبوت و رسالت کے لیے کسی وقت بھی ایسے شخص کو منتخب فرمایا ہو کہ جو اس عظیم الشان منصب کی سرفرازی سے پہلے کفر اور شرک کی نجاست میں ملوث اور آلودہ ہو چکا ہو ہرگز ہرگز نہیں۔

اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد:

---

[1] مباحثہ شاہجہان پور ص ۳۸؛ حاشیہ ملا عبد الحکیم علی الخیالی ص ۲۶۱

[2] المعتمد فی المعتقد للتورپشتی ص ۳ عصمت الانبیاء للرازی ص ۲-۳

وَاٰتَیْنَا اِبْرَاهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ [1]

ترجمہ: اور ہم اس سے بھی پہلے ابراہیمؑ کو خوش فہمی عطا کر چکے تھے۔

اسی طرف مشیر معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام نبوت سے قبل بھی رشد و ہدایت کے مالک ہوتے ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہوتے ہیں۔

قسم دوم — تبلیغ احکام: سو اس بارہ میں بھی تمام اُمتِ محمدیہ کا اتفاق ہے کہ احکام الٰہیہ کی تبلیغ میں انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں۔ دربارۂ تبلیغ نہ ان سے قصداً غلطی ہو سکتی ہے اور نہ سہواً۔ تبلیغ کے بارہ میں جھوٹ اور تحریف سے بالکلیہ پاک اور معصوم اور منزّہ ہوتے ہیں۔ تندرست ہوں یا مریض خوش ہوں یا ناراض کوئی حالت ہو مگر یہ ناممکن ہے کہ وحی الٰہی کے پہنچانے میں ان سے کسی قسم کی سہواً یا عمداً کوئی غلطی ہو جائے، ورنہ پھر وحی الٰہی پر وثوق اور اطمینان کی کوئی صورت نہ رہے گی اور نبی کی تبلیغ سے بالکل وثوق و اعتماد جاتا رہے گا۔

یہی وجہ ہے کہ نزول وحی کے وقت ملائکہ کا پہرہ ہوتا ہے تاکہ وحی الٰہی شیطان وغیرہ کی مداخلت سے بالکلیہ محفوظ رہے۔

کما قال تعالیٰ، عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا۔ [2]

ترجمہ: وہی عالم الغیب ہے اپنے خزانہ غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اپنے برگزیدہ یعنی رسول کو بقدر حکمت و مصلحت بذریعہ وحی کے کچھ بتلا دیتا ہے اور نزول وحی کے وقت اس رسول کے آگے اور پیچھے فرشتوں کا پہرہ لگا دیتے ہیں کہ شیطان اور نفس اس میں کسی قسم کا دخل نہ کرنے پائے اور یہ انتظام اس لیے کیا گیا کہ معلوم ہو جائے کہ فرشتوں نے اپنے ربّ کے پیغام ٹھیک ٹھیک پہنچا دئے ہیں غلطی سے پاک اور

---

[1] الانبیاء: ۵۱ [2] سورۃ جن: ۲۷

مبرّا ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے تمام احوال کے محیط ہیں اور ہر چیز ان کو معلوم ہے۔

قسم سوم فتوی و اجتہاد : علماء اسلام کا مسلک یہ ہے کہ انتظار وحی کے بعد انبیاء کرام کبھی کبھی امور غیر منصوصہ میں اجتہاد فرماتے ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ انبیاء کرام سے کوئی اجتہادی خطا واقع ہو اگر کبھی ایسا ہونے بھی لگے تو فوراً وحی کے ذریعہ تنبیہ کر دی جاتی ہے اور من جانب اللہ ان کو مطلع کر دیا جاتا ہے۔

قسم چہارم افعال و عادات : اہلسنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ انبیاء کبائر سے تو بالکلیہ پاک ہوتے ہیں اور صغائر یعنی ترک اولیٰ امور کبھی کبھی سہواً ان سے صادر ہوتے ہیں کیونکہ ان سے کسی حکم کی تشریع مقصود ہوتی ہے مثلاً نبی کریم علیہ السلام سے ظہر و عصر کی نماز میں سہو کا پیش آنا بظاہر غفلت معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں سجدہ سہو کا حکم بتلانا مقصود تھا اور علیٰ ہذا القیاس اگر لیلۃ التعریس میں آپ کی نماز قضا نہ ہوتی تو فوائت کی ادائیگی کا مسئلہ کیسے معلوم ہوتا اس لحاظ سے یہ سہو و نسیان عین رأفت و رحمت ہے[1] اسی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا یالیتنی کنت سہو محمد[2] : کاش کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سہو ہو جاتا یعنی حضور کا سہو میری یاد سے بہتر ہے، اور حقتعالیٰ شانہ کا ارشاد سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ پیغمبر کا نسیان ماشاء اللہ ہوتا ہے اور کسی حکمت پر مبنی ہوتا ہے، مثلاً آدم علیہ السلام سے بھول و نسیان کی حکمت تھی گناہگاروں کو توبہ و استغفار کا طریقہ بتلانا، اور ایسی بھول و خطا عصمت کے منافی نہیں اور نہ ہی نبوت و رسالت کے منافی ہے آپ ذرا غور کریں تو فوراً روز روشن کی طرح یہ واضح ہو جائیگا کہ انبیاء سے جو سہو و لغزش اگر واقع ہوئی بھی ہے تو اس میں دوام و بقا و استمرار نہیں تھا اس نوع کا سہو ایک ہی مرتبہ ہوا پھر مدت العمر نہیں ہوا۔

لا یلدغ المؤمن من جحر مرتین : جس کا قلب ایمان کی حلاوت اور

---

[1] معارف القرآن ج اول ص ۱۰۶

[2] عصمت الانبیاء للرازی ص ۳

شیرینی چکھ چکا ہے وہ شیطان سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا ۔ ہاں جو محض نام کا مومن ہے وہ دو مرتبہ نہیں بلکہ صدہا مرتبہ نفس و شیطان سے ڈسا جاتا ہے ۔

عارف ربانی شیخ عبد الوہاب شعرانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں سعادت و شقاوت دونوں ہی مقدر تھیں اس کی حکمت اس کو مقتضی ہوئی کہ سعادت کا بھی افتتاح ہو اور شقاوت کا بھی ۔ اس لیے سعادت کا افتتاح حضرت آدم علیہ السّلام کے ہاتھ سے کرایا اور شقاوت کا افتتاح ابلیس کے ہاتھ سے کرایا [۱]

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص سنت حسنہ جاری کرتا ہے تو جتنا اجر و ثواب اس سنت پر عمل کرنے والوں کو ملتا ہے اسی قدر اجر و ثواب اس سنت کے جاری کرنے والے کو بھی ملتا ہے [۲] جب تک وہ سنت جاری رہے گی اس شخص کے اجر میں برابر اضافہ ہوتا رہے گا ۔

تو آدم علیہ السّلام نے اس عالم میں توبہ و استغفار ۔ تضرع اور ابتہال و گریہ وزاری کی مبارک سنت جاری فرمائی ۔ تا قیامت جس قدر بھی تائبین و مستغفرین توبہ و استغفار کرتے رہیں گے اسی قدر حضرت آدم ؑ کے درجات میں اضافہ ہوتا رہے گا اس لیے کہ حضرت آدم ؑ ہی تمام تائبین اور مستغفرین کے امام اور تمام متضرعین اور خاشعین کے قدوہ اور پیشوا ہیں اور ابلیس نے اِبا و استکبار کی سنت سیئہ کو جاری کیا ۔ قیامت تک جو شخص بھی حکم خداوندی سے اعراض و انکار کریگا اس سے ابلیس کی ملعونیت اور مطرودیت میں برابر اضافہ ہوتا رہے گا اس لیے کہ وہ کافرین اور متکبرین کا امام ہے ۔ شیخ ابو العباس عریبی جو کہ شیخ محی الدین ابن عربی کے شیخ ہیں فرمایا کرتے تھے ۔ کہ معاذ اللہ حضرت آدم ؑ نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی بلکہ یہ معصیت اس بدبخت ذریت نے کی جو حضرت آدم ؑ کی پشت میں تھی اس لیے کہ آدم علیہ السّلام کی پشت بمنزلہ سفینہ کے تھی جس میں ان کی تمام صالح و طالح ذریّت سوار تھی [۳]

---

[۱] المعتمد فی اصول الدین ص ۳۴۷ للقاضی ابو یعلی ۔ [۲] مشکوٰہ ص ۳۳

حافظ ابن قیم قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ جب کسی بندہ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو ظاہراً اس کو ذنب و معصیت میں مبتلا کرتے ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ ایک باطنی مرض یعنی اعجاب اور خود پسندی کا علاج ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں ذنب و معصیت میں مبتلا ہونا ہزار طاعتوں سے زائد نافع اور مفید ہوتا ہے اور صاحب بصیرت کے نزدیک یہ معصیت "این خطا از صد ثواب اولیٰ تر است" کا مصداق ہوتی ہے۔

ایک مثال سب جانتے ہیں کہ بعض مرتبہ صحت و عافیت اتنی مفید نہیں ہوتی جتنا مرض مفید اور کارآمد ہو جاتا ہے، اس لیے مرض کے آتے ہی طبیعت فوراً پرہیز اور علاج کی جانب متوجہ ہو جاتی ہے اور طبیب حاذق کے مشورہ سے پورے اہتمام کے ساتھ تنقیہ اور مسہل کو شروع کر دیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چند ہی روز میں تمام فاسد اور ردی مادہ خارج ہو کر طبیعت پہلے سے زیادہ صاف اور تندرست ہو جاتی ہے اس کے بعد پھر لذائذ و طیبات۔ فواکہ و ثمرات لطیف غذاؤں اور مقوی دواؤں کا استعمال کیا جاتا ہے، تو اس قدر قوی ہو جاتا ہے کہ اس مرض سے قبل بحالت صحت بھی اتنا قوی نہ تھا۔ تو اسی طرح آدم علیہ السلام بھی مسلسل توبہ و استغفار سے مزید رفعت شانی کے مالک بن گئے۔

كما قال تعالیٰ وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى۔

ترجمہ: آدم نے اپنے پروردگار کی حکم عدولی کی پس ان کی عیش مکدر ہو گئی پھر خدا نے ان کو برگزیدہ بنایا اور ان پر خاص توجہ فرمائی اور ان کی رہنمائی کی۔

حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ وارضاہ ایک صحابی تھے حضرات صحابہ کرام میں انہیں کوئی خاص امتیازی شان حاصل نہ تھی۔ بمقتضائے بشریت زنا میں مبتلا ہو گئے مگر جب انہوں نے توبہ کی تو ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واللہ اگر ماعز کی توبہ تمام اہل مدینہ پر تقسیم کی جائے تو یقیناً سب کی نجات کے لیے کافی اور وافی ہو گی ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو یہ مرتبہ انکی بے تابانہ اور مضطربانہ ندامت اور شرمساری اور گریہ وزاری سے حاصل ہوا۔ اس مثال سے معاذ اللہ یہ مقصد نہیں کہ حضرات انبیاء کرام بھی اس قسم کے کبائر میں مبتلا ہو سکتے ہیں اس لیے کہ میں ابتداہی

میں بتا چکا ہوں کہ انبیاء کرام کبائر سے بالکلیہ معصوم ہوتے ہیں اس مثال سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ بعض اوقات زلّت و معصیت کا صدور طاعت سے زیادہ نفع بخش ہوتا ہے اور وہ معصیت بجائے منقصت کے رفعت شان کا باعث ہوجاتی ہے، اس طرح اس زلّت اور لغزش سے حضرت آدم کی شان میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ توبہ اور استغفار کے مقرون ہوجانے کی وجہ سے ان کی شان اور بلند ہوگئی اور گویا بزبان حال حضرت آدم علیہ السّلام سے یہ کہا جارہا تھا۔ یا اٰدم لاتجزع من کاس زلل کان سبب کیسك فقد استخرج منك داء لا یصلح ان تجاوزنا به والبست به حلة العبودیة۔

(شعر) لعل عتبك محمود عواقبه

وربما صحت الاجسام بالعلل

یا اٰدم ذنب تذل به لدینا احب الینا من طاعة تدل بها علینا یا اٰدم انین المذنبین احب الینا من تسبیح المدلین۔[له]

ترجمہ: اے آدم تو اس لغزش کے پیالے سے مت گھبرا جو تیری ہوشیاری اور احتیاط کا سبب بنا اسی کی وجہ سے تجھ سے وہ عجب کی بیماری نکال دی گئی۔ کہ جس کے ساتھ ہماری مجاورت ناممکن ہے اب اس کے بعد تم کو عبودیت اور بندگی کا حلہ اور خلعت عطا کیا گیا۔

ترجمہ شعر: امید ہے کہ تیرے عتاب کا انجام نہایت محمود اور بہتر ہوگا اور بسا اوقات بیماریوں سے اجسام پہلے سے زیادہ تندرست ہوجاتے ہیں۔

اے آدم وہ گناہ جس سے تو ہمارے نزدیک ذلیل ہو وہ اس طاعت سے بدرجہا محبوب ہے کہ جس پر تو ناز کرے اور اے آدم گنہگاروں کی آہ وزاری ہمارے نزدیک ناز والوں کی تسبیح و تہلیل سے بدرجہا بڑھ کر محبوب ہے۔

له مدارج السالکین ج اوّل ص ۱۶۶

عارف رومی فرماتے ہیں ؎

مرکب توبہ عجائب مرکبست
بر فلک تازد بیک لحظہ زپست
چوں برارند از پشیمانی انین
عرش لرزد ازانین المذنبین

عصمت و محفوظیت میں فرق

متکلمین کی کتابوں میں عصمت اور محفوظیت کے درمیان فرق کا ذکر موجود نہیں۔ البتہ شاہ ولی اللہ محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قلمی مکتوب جو رسالہ الرحیم شمارہ اکتوبر ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا لکھا ہے العصمۃ التحفظ من الذنوب ولزوم المحذودیۃ الشرعیۃ چونکہ شریع نے پیغمبر کی پیروی کا حکم دیا ہے اس لیے معصیت کی صورت میں محذور شرعی لازم آتا ہے اور اولیاء کی پیروی کا حکم نہیں دیا گیا ہے لہذا اولیاء کی معصیت میں محذور شرعی لازم نہیں آتا[1]

عصمت انبیاء وحفاظت اولیاء میں فرق

شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام ہر وقت بارگاہ خداوندی میں مقیم رہتے ہیں کسی وقت حق تعالیٰ شانہ کی عظمت اور جلال ان کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء معاصی سے معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء بارگاہ خداوندی میں آتے جاتے رہتے ہیں مگر مقیم نہیں اس لیے اولیاء معاصی سے محفوظ تو ہوتے ہیں مگر معصوم نہیں ہوتے (یہی حال صحابہؓ کا ہے وہ بھی محفوظ تو ہوتے ہیں معصوم نہیں ہوتے) اور عصمت وحفاظت میں یہ فرق ہے کہ اولیاء بسا اوقات مباحات اور جائز امور کو محض حظ نفس اور طبعی میلان اور خواہش کے لیے کر گزرتے ہیں مگر حضرات انبیاء کسی وقت بھی طبعی میلان اور حظ نفس کے لیے مباح وجائز امر کا ارتکاب نہیں فرماتے ہاں جب کسی شئ کی عنداللہ اباحت اور اس کا خدا کے نزدیک جائز ہونا

---

[1] عصمت انبیاء مولانا شمس الحق افغانی ص ۲

تبلانا مقصود ہوتا ہے تب اس مباح کو استعمال فرماتے ہیں جس طرح نبی پر فرض کی تعلیم فرض ہے اسی طرح فعل مباح اور امر جائز کی اباحت اور جواز کا بتانا بھی فرض ہے یہی وجہ ہے کہ نبی کو ایک فعل مباح پر فرض ہی کا ثواب اور اجر ملتا ہے [1]

ولی اور رسول میں فرق

ولایت اور امامت تقویٰ اور طہارت کی ایک سند ہے جو بندہ کی جد وجہد اور سعی اور اکتساب سے ملتی ہے اور نبوت و رسالت ایک عہدہ اور منصب ہے جو بدون حکم شاہی کے حاصل نہیں ہو سکتا ولایت بمنزلہ ایک سند ہے کہ جو امتحان سے فراغت کے بعد ملجاتی ہے نبوت و رسالت بمنزلہ عہدہ کے ہے محض قابلیت سے کوئی خود بخود وزیر یا سفیر نہیں بن جاتا جب تک حکم شاہی نہ ہو واللہ یختص برحمته من یشآء۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ اولیاء اللہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ان اولیاءہ الا المتقون۔ اور رسول کی تعریف میں یوں فرماتے ہیں: فلا یظہر علی غیبہ احداً الا من ارتضی من رسول: غرض حاصل ولایت اتقاء ہے اور اتقاء مبنی للفاعل ہے اور حاصل رسالت کا ارتضاء مبنی للمفعول ہے۔ کیونکہ ارتضاء کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اور من رسول بیان ہے [2]

دلائل عصمت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

دلائل عقلیہ (۱) عقل چاہتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام گناہ سے پاک ہوں اور پرکشش ہستیاں ہوں۔ تاکہ لوگوں کو ضلالت سے بچا کر ہدایت سے ہمکنار کر دیں۔ اور صدور معصیت کی صورت میں عوام کنارہ کش ہو جاتے ہیں جو مقصد نبوت کے خلاف ہے۔ جب ایک عام انسان

---

[1] معارف القرآن ج اول ص ۱۰۹

[2] اجوبہ اربعین ص ۹۱ حصہ دوم۔

دوسرے شخص کے متعلق یہ معلوم کرے کہ اس سے گناہ کا صدور ہوگیا ہے تو نفسیاتی طور پر اس سے نفرت کرتا ہے: کما قال تعالیٰ لِمَ تقولون ما لا تفعلون : پیغمبر تو بڑی ہستیاں ہوتی ہیں ان سے صدور معصیت کی صورت میں جذب الخلق الی الہدایت تو کجا عوام اور پیغمبر کے درمیان نفس تعلق بھی محال ہے اور اس صورت میں مقصد نبوت جو ہدایت خلق ہے حاصل نہیں ہو سکتا، لہٰذا یہ ضروری ہوا کہ پیغمبر عقلاً بھی معصوم ہو۔

۲۔ دلیل دوم بمقتضائے عقل نبی کے قول کا مؤثر ہونا ضروری ہے اور یہ جب ممکن ہوگا کہ نبی معصوم ہو کیونکہ وہ ایک فعل کو گناہ بتلائے گا اور خود اس کا ارتکاب کرے گا تو نبی کے قول فعل میں تضاد آئے گا۔ اور یہ تضاد قول و فعل پیغمبر کو غیر مؤثر و غیر معتمد بنا دیتا ہے جو کارخانۂ نبوت کے درہم برہم کر دینے کا سبب بنے گا۔

دلیل سوم اگر نبی غیر معصوم ہو تو معاذ اللہ اس سے معصیت کا صدور ہوگا اور معصیت کی دو قسمیں ہیں (۱) تعزیری (۲) غیر تعزیری۔ تعزیری معصیت کی صورت میں پیغمبر پر تعزیر جاری ہو جائے گی اور غیر تعزیری معصیت رد شہادت کا ذریعہ ہے اور یہ دو قسمیں منصب نبوت کے خلاف ہیں، لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ پیغمبر جب ہو سکتا ہے کہ وہ قبل از نبوت اور بعد از نبوت معصوم ہو۔

دلیل چہارم نبی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو مبغوض نہ ہو اور جب نبی کے قول و عمل میں تضاد ہو تو خدائی و انسانی دونوں قانونوں میں موجب مبغوضیت ہے اور مبغوضیت شان پیغمبری کے خلاف ہے۔

کما قال تعالیٰ أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ

ترجمہ: کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔

دلیل پنجم اگر عصمت کا انکار کیا جاوے تو صدور معصیت کا اقرار کرنا پڑے گا اور معصیت موجب قہر خداوندی ہے اور احکم الحاکمین کا قہر موجب نار جہنم ہے اور جہنمی ہونا نبوت کے منافی ہے۔

دلیل ششم | نبی تو مزکّیٔ نفوس ہوتا ہے یَتْلُوا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ۔ اور جب مُزکّیٖ (مبنی للفاعل) خود مُزکّیٰ (مبنی بر مفعول) نہ ہو تو وہ عوام کا تزکیہ نفس کیسے کر سکے گا؟

دلیل ہفتم | ہر نبی امت کے لیے حاکم ہے اور حاکم انقیادی نہ کہ حاکم جبری اور حاکم انقیادی وہ ہوتا ہے جس کو لوگ مقتدیٰ تصور کریں اور جب ہو سکتا ہے کہ نبی کو لوگوں پر تفوق حاصل ہو اور تفوق عصمت سے ہوتا ہے اگر نبی بھی غیر معصوم ہو اور امت بھی غیر معصوم تو تفوق و برتری نہ رہے گی، تو وہ مقتدیٰ و حاکم نہ بن سکے گا، اس لیے نبی کے لیے معصوم ہونا ضروری ہے۔

دلائل نقلیہ بر عصمت انبیاء علیہم السلام

دلیل اوّل | مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔

ترجمہ: جس شخص نے رسول کی اطاعت کی پس تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔

ترجمہ: اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جاوے۔

پہلی آیت میں رسول کی اطاعت کو اپنی ہی اطاعت قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ غیر معصوم کی اطاعت کو عین اطاعت خداوندی نہیں کہا جا سکتا۔ اطاعت رسول و اطاعت خداوندی میں اتحاد اور عینیت جب ہی ہے کہ جب رسول معصیت کے شائبہ سے بھی بالکلیہ پاک ہو اور تاکید اور تحقیق کے لیے کلمہ قَدْ کا اضافہ فرمایا تاکہ کوئی شخص اطاعت حق اور اطاعت رسول میں کسی قسم کی تفریق نہ قائم کرے اور دوسری آیت میں رسول کی علی الاطلاق اطاعت کا حکم دیا اور اس پر رحمت کا وعدہ فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ غیر معصوم شخص کی اطاعت کا علی الاطلاق کسی طرح حکم نہیں دیا جا سکتا۔ اور اسی واسطے خلفاء اور امراء کی علی الاطلاق اطاعت کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ ان کی اطاعت کا یہ معیار مقرر ہوا۔

السمع والطاعة حق ما لم یؤمر بمعصیة فاذا امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة۔ (بخاری)

امیر کی بات سننا اور اس کی اطاعت ضروری ہے جب تک معصیت کا حکم نہ کیا جائے اور جب امیر معصیت کا حکم کرے تو پھر اس کی اطاعت نہیں۔

لَا طَاعَةَ لِمخلوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الخَالِقِ ، چونکہ نبی کا کوئی فعل معصیت ہوتا ہی نہیں اس لیے وہاں کسی قسم کی کوئی قید نہیں لگائی گئی۔

دلیل دوم نیز اگر انبیاء معاصی سے معصوم نہ ہوں تو عیاذًا باللہ انبیاء کرام کا غیر مقبول الشہادۃ ہونا لازم آئے گا اس لیے کہ عاصی فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی شہادت مقبول نہیں لقولہ تعالیٰ اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا : پھر بروز قیامت بمقابلہ امم حضرات انبیاء کی شہادت کیسے قبول ہوگی ، حالانکہ قرآن مجید میں ہے کہ ہر نبی قیامت کے دن اپنی امت پر گواہی دے گا۔

کما قال تعالیٰ: فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا [1]

ترجمہ ۔ پس کیا حال ہوگا جب کہ ہم بلائیں گے ہر امت میں سے گواہی دینے والا اور حال کا بیان کرنے والا اور آپ کو سب پر گواہ بنائیں گے ۔

دلیل سوم غیر معصوم ہونے کی صورت میں نبی کا مستحق عذاب و مستحق لعنت ہونا لازم آتا ہے جو ایک عاصی اور گنہگار کا حکم ہے۔

لقولہ تعالیٰ : وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ۔

ترجمہ : جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو یقیناً اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا ۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ

ترجمہ : خبردار ظالموں اور نافرمانوں پر خدا کی لعنت ہے ۔

---

[1] النساء : ۴۱

حالانکہ کوئی نبی کسی مذہب میں بھی مستحق عذاب ولعنت نہیں ہے حتیٰ کہ عیسائیت وحشویت میں بھی، بلکہ جو مستحق عذاب ولعنت ہو تو وہ نبی ورسول تو کجا صالح اور متقی بھی نہیں ہو سکتا۔

دلیل چہارم انبیاء کرام کا کام ہے کہ لوگوں کو حق جل شانہ کی اطاعت کی طرف بلائیں پس اگر وہ خود اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار بندے نہ ہوں تو وہ اس آیت کے مصداق ہوں گے۔

اتأمرون الناس بالبرّ وتنسون انفسکم الخ کیا تم دوسروں کو بھلی بات کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللهِ اَنْ تَقُوْلُوا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت مذموم اور اس کے غضب اور ناراضگی کا سبب ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے ہو

حالانکہ یہ بات ایک ادنیٰ واعظ کے لیے بھی مناسب نہیں حضرات انبیاء کرام کے شایان شان تو کیسے ہو سکتی ہے۔

دلیل پنجم اگر انبیاء کرام سے کبائر اور معاصی کا صدور جائز رکھا جائے تو پھر معاذاللہ انبیاء کو معاصی پر تنبیہ اور زجر و توبیخ اور ایذا رسانی بھی جائز ہونی چاہیے جو خدا عزوجل کو نافرمانوں کے لیے لازمی اور ضروری ہے۔

لقولہ تعالیٰ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔

ترجمہ: جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لیے نہایت دردناک عذاب ہے۔

دلیل ششم چونکہ انبیاء کا مرتبہ سب سے بلند ہوتا ہے اس لیے انبیاء سے معصیت کا صدور بھی بہت بڑا جرم ہوگا پھر سزا بھی دگنی ہوگی کیونکہ باندی کو بمقابلہ حرہ نصف حد آتی ہے اور زانی محصن پر رجم اور غیر محصن پر کوڑے ہوتے ہیں اور ازواج مطہرات کیلئے حکم ہے:

يَا نِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ۔

ترجمہ: اے نبی کی عورتو تم میں سے جو صریح بے حیائی کا کام کرے تو اس کو دو

جیسے سزا ہو گی۔

تو اس صورت میں تو نبی معاذ اللہ خدا کا معتوب ٹھہرے گا تو جب نبی ہی معتوب ہو گا تو پھر دنیا میں مقبول الٰہی کون ہو گا۔

دلیل ہفتم معصیت کا صدور ہمیشہ اتباع شیطان ہی کی وجہ سے ہوتا ہے پس اگر نبی معصوم نہ ہو تو نبی کا تبع شیطان ہونا لازم آئے گا۔

کما قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ۔

ترجمہ: اور ابلیس نے ان پر اپنے گمان کو سچ کر دکھایا سوائے تھوڑے سے ایمانداروں کے لوگ اس کے پیرو ہوئے۔

حالانکہ نبی کی بعثت کا مقصد لوگوں کو شیطان کی اتباع سے محفوظ رکھنا ہے۔

دلیل ہشتم اسی گذشتہ آیت میں الا فریقا من المؤمنین کے الفاظ ہیں اگر ان سے مراد نبی ہیں تو پھر ان کا معصوم ہونا ثابت ہوا اور اگر غیر نبی ہیں تو پھر غیر نبی کا نبی سے افضل ہونا لازم آئے گا کہ غیر نبی تو اتباع شیطان سے بری ہو اور نبی نہ ہو۔ این خیال است و محال است وجنوں۔

دلیل نہم أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔

ترجمہ: یہ اللہ کا گروہ ہے اور آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کا گروہ کامیاب ہوتا ہے۔

نبی بھی اللہ کا گروہ ہوتا ہے یہ اسی وقت ہو گا جبکہ وہ معصوم ہو ورنہ الا ان حزب الشیطان هم الخاسرون میں شامل ہوں گے۔ العیاذ باللہ عن هذه العقیدة۔

دلیل دہم فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ۔

ترجمہ: تیری عزت کی قسم سوائے عباد مخلصین کے سب کو گمراہ کر دوں گا۔

من کل الوجوہ عباد مخلصین انبیاء کا گروہ ہوتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ: إِنَّا أَخْلَصْنَاهُم بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ۔

دوسری جگہ پر ہے إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ۔ معلوم ہوا شیطان

انبیاء کو گمراہ نہیں کرسکتا ہے لہ

دلیل یازدہم حق تعالیٰ شانہ نے جا بجا قرآن عزیز میں انبیاء کرام کا بلا کسی تخصیص کے مصطفےٰ اور مجتبیٰ ہونا ذکر فرمایا ہے۔ کسی قید کے ساتھ مقید کرکے انبیاء کا ذکر کہیں بھی نہیں ہے جس سے ظاہر ہوا کہ انبیاء تمام افعال و اقوال کے اعتبار سے منتخب اور برگزیدہ ہیں۔ کما قال تعالیٰ: وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ۔ اور ظاہر ہے کہ من کل الوجوہ خدا کا برگزیدہ اور پسندیدہ مصطفےٰ و مجتبیٰ ہونا صدور معاصی کے بالکل منافی ہے:

دلیل دوازدہم حق تعالیٰ نے انبیاء کی یہ شان ذکر فرمائی ہے یسارعون فی الخیرات وہ بھلائیوں اور نیک کاموں میں نہایت تیز رو اور الخیرات کو معرف بلام الاستغراق ذکر فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام سے سوائے خیر محض کے کسی امر کا صدور ہوتا ہی نہیں۔

دلیل سیزدہم ہر عاصی اور گنہگار کو شرعاً اور عرفاً ظالم کہنا جائز ہے اور قرآن عزیز میں بھی بکثرت خدا کے نافرمانوں کو ظالم کہا گیا ہے۔ لہٰذا اگر نبی سے بھی معاصی کا صدور جائز ہو تو نبی کو بھی معاذ اللہ ظالم کہنا جائز ہوگا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لاینال عهدی الظالمین میرا منصب ظالموں کو نہیں ملتا۔ کیونکہ اس آیت میں اگر عہد سے نبوت و رسالت مراد ہے تو صاف ظاہر ہے کہ گنہگار اور ظالم کبھی نبی اور رسول نہیں ہوسکتا اور اگر ولایت و امامت مراد ہے تب بھی مدعیٰ حاصل ہے اس لیے کہ جب امامت اور ولایت کہ جس کو نبوت اور رسالت سے وہ بھی نسبت نہیں جو قطرہ کو دریائے عظیم کے ساتھ ہے جب وہ بھی ظالم اور عاصی کو حاصل نہیں ہوسکتی تو نبوت و رسالت کا عظیم الشان اور جلیل القدر منصب کہاں حاصل ہوسکتا ہے۔

دلیل چہاردہم هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ۔

ترجمہ: اسی نے ان پڑھوں میں ایک رسول بھیجا جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تلاوت

لہ العقائد الاسلامیہ ص ۱۸۰

کرتا ہے اور ان کو تعلیم و تربیت سے پاک اور صاف کرتا ہے۔
پس اگر رسول خود مزکّیٰ و مُطہّر نہیں تو دوسروں کو کیسے پاک و صاف بنا سکتا ہے۔

دلیل پانزدہم وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ [1]
"نبی خیانت نہیں کرتا۔"

غل ہمہ قسم کی خیانت و کھوٹ کو کہتے ہیں۔

دلیل ہفدم وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا [2]
(اپنے رب کے حکم پر قائم رہئے آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں)

یعنی ہماری حفاظت میں ہیں۔

اس سے معلوم ہوا نبی ہر وقت اللہ کی نظر میں ہوتا ہے اس کی خاص حفاظت میں ہوتا ہے۔ جیسے عام طور پر ہم بھی کہتے ہیں آپ اپنا کام کرتے رہیے ہم نے آپ پر نظر رکھی ہوئی ہے یعنی ہم نگرانی کر رہے ہیں تو جب اللہ تعالیٰ نبی کے ھر فعل کی خود حفاظت کرتا ہے تو نبی سے غلطی و معصیت کیسے ہو سکتی ہے۔

دلیل ہشتدہم تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَاَيَّدْنَاهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ [3]

ترجمہ: یہ سب رسول بڑائی دی ہم نے ان میں ایک کو ایک سے کوئی ہے کہ کلام کیا اس سے اللہ نے اور بلند کیئے بعضوں کے درجے اور دی ہم نے عیسیٰ بن مریم کو نشانیاں صریح اور ہم نے اس کی تائید اور حفاظت کی روح القدس کے ذریعہ۔
اس آیت سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حفاظت اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی جاتی ہے۔

---

[1] سورہ آل عمران آیت: ۱۶۱
[2] سورہ طور آیت: ۴۸
[3] سورہ بقرہ آیت: ۲۵۳

دلیل نوزدہم | قُلۡ إِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوبَكُمۡ۔

ترجمہ : اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ کو محبوب رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم کو محبوب رکھے گا اور تمہارے گناہوں کی مغفرت کریگا۔

اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو محبت خداوندی کا معیار قرار دیا گیا اور آپ کی اتباع پر دو وعدے فرمائے گئے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا معیار ایسے ہی شخص کی اتباع ہو سکتی ہے جو معصوم ہو۔ ورنہ ایک عاصی اور گنہگار کی اتباع محبت خداوندی کا معیار کیسے بن سکتا ہے اور نہ ہی محبتِ الٰہی اور مغفرت ذنوب کا سبب ہو سکتا ہے۔

نوٹ : یہ سب دلائل تفسیر کبیر الامام فخر الدین الرازی۔ تفسیر معارف القرآن مولانا شیخ محمد ادریس کاندھلوی۔ العقائد الاسلامیہ مولانا السید سابق۔ عصمت الانبیاء مولانا شمس الحق افغانی ولعلامۃ المعقول والمنقول فخر الدین الرازی سے منقول ہیں اب ان اشکالات سے جوابات دیئے جاتے ہیں جو بعض انبیاء پر وارد کیئے جاتے ہیں۔

عصمتِ آدم علیہ السّلام پر اشکالات کے جوابات

اشکال اوّل | حضرت آدم علیہ السّلام کو تناول شجرۃ سے نہی بلیغ کی گئی تھی بقولہ تعالےٰ وَلَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ الخ لیکن آدم علیہ السّلام نے نہی الٰہی کو توڑ دیا جیسے کہ امر کا توڑنا گناہ ہے تو نہی توڑنا بھی گناہ ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اس نہی شکنی کو ظلم بتایا ہے فتکونا من الظالمین اور ظلم معصیت ہے لہذا آدم عاصی ہوا۔

۳۔ آدم علیہ السّلام نے خود اس معصیت کا اقرار کیا ہے ربنا ظلمنا انفسنا الخ اور اعتراف ظلم صدور معصیت کی دلیل ہے۔

۴۔ آدم علیہ السّلام کو اس فعل پر سزا مرتب ہوئی اور حضرت آدم وحوا دار النعم سے دار المحن میں منتقل ہوئے، قلنا اھبطوا منھا جمیعا۔ اور سزا معصیت پر ہی مرتب ہوتی ہے۔

جوابات (۱) یہ واقعہ آغاز سلسلۂ نبوت سے قبل کا ہے اور قبل از تکلیف واقع ہوا ہے لہذا تناول شجرہ ممنوعہ کسی امر شرعی کا خلاف نہیں جس سے عصمت پر زد پڑتی ہو

۲ - امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں نقل فرماتے ہیں کہ یہ نہی نہی تنزیہی تھی نہی تحریمی نہیں تھی، اور نہی تنزیہی کے خلاف کرنا خلاف اولیٰ ہے اور خلاف اولیٰ کوئی گناہ نہیں لہذا تناول شجرہ سے عصمت آدم علیہ السّلام پر زد نہیں پڑتی -

۳ - تناول شجرۃ خطائی الاجتہاد سے واقع ہوا بایں طور کہ لاتقربا ھذہ الشجرۃ میں حضرت آدم علیہ السلام نے اشارہ شخصی سمجھ کر اس نوع کے کسی دوسرے درخت سے تناول فرمایا حالانکہ مراد خداوندی اشارہ نوعی تھا کہ اس نوع کے ایک درخت سے تناول ممنوع تھا اسکی نظیر ایک حدیث مبارک ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ میں ریشم اور دوسرے ہاتھ میں سونا پکڑ کر فرمایا ھٰذان حرامان لامتی - تو یہاں اشارہ نوعی مراد ہے حالانکہ حضور علیہ السلام کے ہاتھ مبارک میں ریشم اور سونے کا ایک مخصوص حصہ تھا - اور خطائی الاجتہاد کی صورت میں بھی مجتہد کو ثواب ملتا ہے اذا جتهد الحاكم فاصاب فله اجران وان اخطا فله اجر واحد - بنابریں آدم علیہ السّلام کو اس خطائی الاجتہاد پر اجر ہی ملے گا نہ کہ سزا -

۴ - علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ نہی تشفیقی تھی نہی تشریعی نہ تھی معصیت نہی تشریعی کے توڑنے کو کہتے ہیں نہ کہ نہی تشفیقی کو -

نہی تشفیقی کی مثال یہ ہے کہ حکیم حاذق مریض کو چند مخصوص چیزوں سے پرہیز بتاتا ہے کہ ان چیزوں کے استعمال سے آپ کو نقصان ہو سکتا ہے تو اس ممانعت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ چیزیں حرام ہو گئیں ہیں اور ان کا استعمال جرم و معصیت ہے -

۵ - امر و نواہی کا توڑنا جب گناہ ہوتا ہے جبکہ ان کو قصدًا و ارادۃً توڑا جائے اگر ارادہ موجود نہ ہو تو وہ گناہ نہیں - بغیر ارادہ شرعی قوانین کے خلاف کرنا والا مجرم نہیں ہوتا، دیکھو روزہ رمضان کی حالت میں قصدًا کھانا پینا جرم ہے اور موجب کفارہ ہے لیکن نسیانًا و بلا قصد کھا پی لے تو روزہ

نہیں ٹوٹتا ۔ اسی طرح قتل عمد موجب پھانسی ہے لیکن اکسیڈنٹ کی صورت میں پھانسی نہیں دی جاتی یہ صورت حال قانونی گرفت سے مستثنیٰ ہے تو اسی طرح آدم علیہ السلام سے نہی شکنی بلا ارادہ نسیاناً ہوئی قولہ تعالیٰ فنسی اٰدم ولم نجد لہ عزما ۔ تو اس لیے یہ جرم معصیت تصوّر نہ ہو گی ۔

۶۔ ظلم یہاں ظاہری معنی پر محمول نہیں بلکہ ظلم کا معنی ہے النقص گھٹانا قول تعالیٰ وَلَمْ تظلم منہ شیئاً" یعنی اس سے کوئی چیز بھی کم نہیں کی جائے گی تو اب فتکونا من الظالمین کا ترجمہ یہ ہوگا تم اپنے حصے کو گھٹانا والے بن جاؤ گے اور وہ نقصان اکل شجرہ سے یہ ہوا ہبوطِ ارض ہوگیا اور آدم علیہ السلام زمین میں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں رہے نہ کہ عذابوں میں ۔

نیز شرعی معنیٰ کے لحاظ سے بھی ظلم کا معنی گناہ نہیں بلکہ امام آلوسی بغدادی روح المعانی میں اور ابن حزم اندلسی نے الملل والنحل میں ظلم کا معنی لکھا ہے وضع الشئ فی غیر محلہ ۔ تو اب آیت کا ترجمہ ہوگا کہ اگر تم نے شجرۂ ممنوعہ سے کچھ کھایا تو تم اس نہی کو بے محل استعمال کرو گے کیونکہ اس کا محل اجتناب عن الاکل ہے اور ارتکاب اکل غیر محل ہے ۔

نیز ظلم بمعنی اتلاف حق بھی ہے تو اب ترجمہ ہوگا تم اپنے حق کو تلف کرنے والوں میں ہو جاؤ گے ربنا ظلمنا میں اسی کا اعتراف تھا ، نہ معصیت کا اعتراف ہے کیونکہ کوئی شخص اپنے حق کو ضائع کر دے تو وہ معصیت نہیں ہوا کرتا ۔

۷ ۔ آدم علیہ السلام کا توبہ کرنا دلیل معصیت نہیں ہے بلکہ تاب یتوب کے معنی ہوتے ہیں رجوع کرنا ۔

توبوا الی اللہ توبۃ نصوحًا ۔

(تو بندہ بھی توبہ کرنے والا ہے اور اللہ بھی توّاب ہے)

باعتبار بندہ توبہ بمعنیٰ لوٹنا اور باعتبار اللہ توبہ بمعنیٰ نزول رحمت ہے تو آدم علیہ السلام سے جو اپنی حق تلفی ہوئی اسکے حصول کے لیے اللہ کی طرف رجوع کیا اور اللہ تعالیٰ نے وہ حق انہیں دوبارہ عطا کر دیا ۔

۸ - فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ ۔ ان اللہ غفور رحیم

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ حالت اضطرار میں مردار کا کھانا گناہ نہیں اور آخر میں فرمایا اللہ غفور رحیم ہے دوسرے مقام پر فرمایا تبتغی مرضات ازواجك واللہ غفور رحیم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حلال چیز کے کھانے سے اجتناب فرمایا جو قطعاً گناہ نہیں مگر اللہ تعالیٰ یہاں پر غفران اور رحمت کا ذکر فرمایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا غفران صرف گناہ سے متعلق نہیں اور اللہ تعالیٰ سے حضرت آدم علیہ السّلام کی طلب رحمت و معفرت مستلزم معصیت نہیں ہے۔

اللہ یفرح بتوبۃ عبادہٖ۔ اس کلیہ کے تحت توبہ آدم موجب رضائے باری تعالیٰ ہے نہ یہ کہ انہوں نے ایک معصیت سے توبہ کی کیونکہ وہ معصوم ہیں اس جمیع بیان سے عیسائیوں کے عقیدہ کفارہ کی تردید ہوئی جس کی بنا اس پر تھی کہ فطرت انسانی میں معصیت داخل ہے اور اولاد آدم معصیت سے الگ نہیں ہوسکتی کیونکہ آدم علیہ السّلام نے خود معصیت کی اور اس سے سینہ بسینہ اولاد آدم میں چلی آرہی ہے (سفر تکوین باب اوّل تورات)۔

اشکال دوم قران مجید میں ہے۔

فَلَمَّا اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ [1]

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم وحوا علیہما السّلام کو بیٹا عطا کیا مگر انہوں نے اس میں شریک بنالیا۔

اور ترمذی شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے ان سے کہا اپنے بیٹے کا نام عبد الحارث رکھو تو وہ زندہ رہے گا تو انہوں نے اس کا نام عبد الحارث رکھ دیا۔ ان دونوں باتوں کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السّلام نے شرک کیا اور شرک بہت بڑا گناہ ہے۔

جواب ا محققین علم حدیث نے کہا ہے کہ ترمذی شریف کی ۲۲ حدیثیں موضوع ہیں جن میں سے ایک یہ ہے حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے لکھا ہے یہ روایت اور اس کے ہم معنیٰ

---

[1] اعراف ع:۸

دیگر روایات سب موضوع ہیں حافظ ابن حزم اندلسی الملل والنحل میں لکھتے ہیں ھذہ الروایۃ مکذوبۃ وضعھا من لادین لہ ولاحیاء۔

جواب ۲ ہم نہیں مانتے کہ آیت مذکورہ کا تعلق حضرت آدم وحوا سے ہے بلکہ اس کا تعلق قُصَی سے ہے جو اپنے مورث اعلیٰ نضر کے خطاب قریش سے مشہور ہوا اور اسی ہی سے خاندانِ قریش پھیلا ان کے چار بیٹے تھے ۱: عبد مناف ۲: عبدالعزیٰ ۳: عبد شمس ۴: عبدالدار۔ حالانکہ انہوں نے کہا تھا۔ لئن اتیتنا صالحًا لنکونن من الشاکرین۔

میر سید السند نے شرح مواقف میں لکھا ہے وعلیہ اکثر المفسرین۔

جواب ۳ یہ خاص سے عام کی طرف انتقال ہے پہلے ذکر خاص آدم وحوا کا ہو رہا تھا لیکن اس سے انتقال کر کے عام لوگوں کا حال ذکر کر دیا کہ جب ان کو اللہ تعالیٰ بیٹا عطا کر دیتا ہے تو وہ شرک کرنے لگتے ہیں، اس کی نظیر یہ آیت ہے وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ الخ یہاں مصابیح سے مراد ستارے ہیں جو اجرام نیرہ کی ایک خاص قسم ہیں اور رجومًا سے مراد عام اجرام نیرہ ہیں جن میں شہب بھی داخل ہیں (روح المعانی)۔

جواب ۴ یہ اسرائیلیات میں سے ہے قرآن میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ روح المعانی۔

جواب ۵ جعلالہ شرکاء میں نسبت از قبیل مجاز عقلی ہے بایں طور کہ شرک تو اولاد آدم کرتی ہے لیکن نسبت باپ کی طرف ہو گئی ہے، کیونکہ وہ سبب اولاد ہے اور اس قسم کی نسبت کو فن معانی میں مجاز عقلی کہتے ہیں۔ اس سے عصمت آدم پر کوئی دھبہ نہیں آتا[1]

جواب ۶ امام فخر الدین الرازی فرماتے ہیں والجواب عن الکل ان ذالک کان قبل النبوۃ۔ یعنی یہ سب امور قبل از نبوت تھے۔ بعد از نبوت نہ تھے۔

لیکن جن کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ نبی قبل از نبوت بھی معصوم ہوتا ہے تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ

---

[1] تفسیر کبیر العقائد الاسلامیہ ص ۱۸۵ عصمت انبیاء للرازیؒ ص ۹ عصمت انبیاء للغفاریؒ ص ۱۷ -

فقالوا المعصية مخالفة الامر، فالامر قد يكون بالواجب والندب ۔ هنا الامر بالندب ۔

ترجمہ : معصیت مخالفت امر کا نام ہے اور امر کبھی واجب کا ہوتا ہے اور کبھی مستحب کا یہاں حکم مستحب کا تھا ۔ اور ترک مستحب معصیت نہیں ہے [1]

اشکال بر عصمتِ نوح علیہ السّلام

اشکال اوّل جب طوفان آیا تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کشتی میں اپنے اہل کو سوار کرو تو نوح علیہ السّلام نے دو کام ایسے کیے جو عصمت نوح کے خلاف تھے۔

(۱) اپنے کافر بیٹے کو کشتی میں سوار ہونے کا حکم دیا ، (۲) اس کے لیے منفرت کی دعا کی ۔

جوابات ابن منیر نے حاشیہ کشاف میں لکھا ہے کہ نوح علیہ السّلام کا کنعان نامی بیٹا منافق تھا ظاہرًا وہ مومن بنا ہوا تھا تو نوح علیہ السّلام نے مومن سمجھ کر کشتی میں بھی سوار ہونے کا حکم دیا اور بخشش کی بھی دعا کی ۔ اور نجات کی بھی ۔

جواب۲ نوح علیہ السّلام کی یہ خطا اجتہادی تھی آپ سمجھ رہے تھے واھلك سے مراد اہل نسبی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں اہل ناجیہ یعنی مؤمن مراد تھے اور اس شرط کی تصریح اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوئی تھی تاکہ اس کے پیش نظر حضرت نوح علیہ السّلام اپنے بیٹے کو اپنا اہل نہ سمجھتے لہٰذا نوح علیہ السّلام کی عصمت پر کوئی حرف نہیں آتا [2]

جواب۳ یہ خلاف اولیٰ کام تھا چونکہ ان دونوں معاملوں کے متعلق پہلے نہی نہیں وارد ہوئی تھی اس لیے یہ کام قابل مواخذہ نہیں اور فلا تسئلن ما لیس لك به علم یہ فرمان مستقبل سے وابستہ ہے ، اور اس کے بعد نوح علیہ السّلام سے اس قسم کا کوئی کام واقع نہیں ہوا [3]

---

[1] تفسیر کبیر ص العقائد الاسلامیہ ص۱۸۵ عصمت انبیاء للرازی ص۹ عصمت انبیاء لافغانی ص۱۷

[2] العقائد الاسلامیہ ص۱۸۵

[3] عظمت انبیاء للرازی عصمت انبیاء ص۲۶

جواب فلعله دعا بمقتضی الطبع الی ان ورد الشرع بالنهی عنه ۔

ترجمہ: یعنی یہ شفقت طبعیہ کی بنا پر دعا کی تھی ۔ اور شرعًا نہی بعد میں وارد ہوئی ۔

والعقل لا ینکر الدعا للکافر للشفقة الطبعیه ۔

ترجمہ: عقل طبعی شفقت کی بنا پر کافر کے لیے دعا کرنے کا انکار نہیں کرتی [1]

اشکال بر عصمت ابراہیم علیہ السّلام

اشکال اوّل فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّي الخ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے ابراہیم علیہ السّلام نے غیر اللہ کو رب کہا ہے اور یہ شرک ہے ۔

جواب شارح مواقف نے اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ فرقہ صابئین سے جو کواکب پرست فرقہ تھا بطور مناظرہ کے فرمایا ہے اور ان پر رد کرنا مقصود ہے ابراہیم السّلام نے ان کا عقیدہ ظاہر کرتے ہوئے فرمایا تھا نہ کہ ابراہیم علیہ السّلام کا عقیدہ ہے ۔ اس پر ان کا قول لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ ۔ شاہد عدل ہے یعنی خدا میں افول و تغیر نہیں ہوتا ۔ تو ابراہیم علیہ السلام کی عبارت کا مفہوم ہوا ۔

هذا ربی علی زعمکم وقد تفول هذه الاشیاء وکل ما یفول فهو لا یکون ربًّا فالکواکب لا تکون اربابًا [2]

اشکال دوم حدیث میں ہے : لم یکذب ابراهیم الا ثلاث کذبات قال بل فعلهم کبیرهم وقال انی سقیم وقال هذا اختی الخ

ترجمہ: یعنی ابراہیم علیہ السّلام نے تین جھوٹ بولے ۔ (۱) بتوں کو خود توڑ کر نسبت بڑے بت کی طرف کر دی ۔ (۲) اپنے آپ کو بیمار بتایا (۳) اپنی بیوی کو فرعون مصر کے

---

[1] عصمت انبیاء للرازی ص۱۳ عصمت انبیاء ص۲۶ [2] ایضًا

سامنے بہن ظاہر کیا ۔ اور جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے ۔

جواب ۱ اس کلام میں توریہ استعمال کیا گیا ہے اور توریہ کا مطلب ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں ۔ (۱) معنی اخفی ۔ (۲) معنی جلی : کلام کے وقت متکلم معنی خفی کو مراد لیتا ہے اور مخاطب معنی جلی کو لیتا ہے کبیرھم ضمیر سے مراد ظاہرا تو بت مرجع نظر آتے ہیں لیکن باطناً وخفیاً لوگ بھی ہیں تو ابراہیم علیہ السلام نے ضمیر سے مراد لوگ لیے تھے نہ کہ بت ۔ تو آیت کا ترجمہ ہوگا بل فعلہ کبیر الناس : اور شک نہیں کہ اس وقت سب سے بڑی شخصیت ابراہیم علیہ السلام تھے قرینہ یہ ہے کہ ضمیر ھم ذوالعقول کے لیے استعمال ہوتی ہے اور بتوں کے لیے تو ھُنَّ استعمال ہوتا ہے کما قال تعالیٰ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۔

جواب ۲ یہ ہے کہ فَعَلَهٗ پر وقف ہے اور اس کا فاعل مقدر ہے اصل عبارت ہے فَعَلَهٗ مَنْ فعلہ کبیرھم ھذا ۔

جواب ۳ اگر فعلہ پر وقف نہ بھی کیا جاوے تو بھی یہی معنی بنتا ہے بایں طور کہ فعلہ کا فاعل کبیرھم ہے تو مطلب یہ ہوگا اگر بتوں میں استعداد ہے تو انہوں نے کیا ہوگا مگر استعداد تو وہ نہیں رکھتے تو فعل بھی انہوں نے نہیں کیا ۔

قال انی سقیم کا جواب یہ ہے کہ سقم سے مراد سقم قلب ہے یعنی میں رنجیدہ خاطر ہوں اور ھٰذا اُخْتِیْ میں بھی توریۃ اسلامی بہن مراد لی تھی نہ کہ حقیقی بہن ۔

جواب ۴ امام رازی نے تفسیر میں اس حدیث کو ساقط الاعتبار لکھا ہے ۔ مگر حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس حدیث کو صحیح البخاری کے حوالے سے تاویل مذکورہ کے ذریعہ سے صحیح السند کہا ہے ۔ اور تاویل مذکورہ کی تائید اس آیت سے بھی ہو جاتی ہے واذکر فی الْكِتَابِ اِبْرَاهِيمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۔ صدیق مبالغے کا صیغہ ہے جب اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سچائی بطور مبالغہ بیان کرتا ہے تو ان کے حق میں کذب کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا ۔

علامہ ابن حزم نے الملل والنحل میں لکھا ہے کذب علی الاطلاق ممنوع نہیں بلکہ لاجل المصلحۃ الدینیۃ ودفع الضرر جائز ہے شیخ سعدی نے کہا ہے "دروغ مصلحت

آمیز بہ از راستی، فتنہ انگیز"۔ امام غزالی نے بھی احیاء العلوم میں حقیقت کذب کے بیان میں وضاحت سے بیان کیا ہے مثلاً دوران جہاد از روئے مصلحت کذب جائز ہے اسی طرح زوجین میں آقا و غلام میں صلح کے لیے اور عزت نفس کی حفاظت کے لیے کذب جائز ہے[1]

جواب ۵ امام راغب اصفہانی نے صدور کذب کے متعلق جو بحث کی ہے اس سے ثلاث کذبات والی حیثیت کا جواب مستنبط ہوتا ہے اور یہ راجح جواب ہے امام راغب نے فرمایا الصدق والکذب یطلقان علی المقال والفعل : یعنی کذب فی القول تو مذموم ہے مگر کذب فی الفعل مذموم نہیں صدق فی الفعل کا مطلب ہوتا ہے جس سے مقصد پورا ہو جائے اور کذب فی الفعل ہوتا ہے جس سے مقصد پورا نہ ہو عرب والے کہتے ہیں صدق فی القتال اذا وفی حقه وکذب فی القتال اذا لم یوف حقه قتال میں جرات مندانہ فعل کو صادق فی القتال اور بزدلانہ فعل کو کاذب فی القتال کہا جاتا ہے ۔ حالانکہ دونوں شریک فی القتال ہیں تو ابراہیم علیہ السّلام نے جو کاروائی فرمائی وہ مقاصد میں کامیابی کے لیے فرمائی اور وہ کامیاب ہوئے تو ابراہیم علیہ السّلام صدیق ہوئے نہ کے کاذب، ثلاث کذبات کہنا محض ظاہرا ہیں جس کو روایت بالمعنی کہہ لیجئے، لم یتحقق الفعل الذی قال ابراهیم علیه السّلام ما قاله لاجل ذالك الفعل[2]

اشکال سوم اذ قال ابراهیم رب ارنی کیف تحی الموتی الخ ابراہیم علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ کی قدرت علی الاحیاء پر شک کیا حالانکہ قدرت خداوندی پر شک کرنا ایک عام مومن کے لیے بھی مناسب نہیں چہ جائے کہ پیغمبر شک کرے ۔

جواب آیت مذکورہ سے شک فی القدرۃ علی الاحیاء مستنبط کرنا کم عقلی ہے بلکہ اس سے تو یقین کا ثبوت ہے جس پر قرینہ قَالَ بلیٰ موجود ہے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی درخواست عین الیقین کیلیے تھی کہ میں کیفیت احیاء کا منظر مشاہدہ کروں علم الیقین کے ساتھ

---

[1] عصمت انبیاء ص۲۸

[2] عصمت انبیاء ص۲۹

حق الیقین کا جمع ہونا تاکید للیقین ہے نہ کہ شک لہٰذا ابراہیم علیہ السّلام اس داغ سے پاک ہیں جو زندیقوں نے لگانے کی کوشش کی ہے۔

باقی رہا بخاری وغیرہ میں جو حدیث آئی ہے کہ نحن احق بالشك من ابراهيم: اس کا مفہوم حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ بیان کیا ہے انه لم يشك ولو شك كنا احق بالشك یعنی ابراہیم علیہ السّلام نے شک نہیں کیا اگر وہ کرتے تو ہمیں بھی شک کا حق زیادہ تھا: تو یہ نفی شک کی تعبیر بلیغ ہے[1] مزید تفصیل کے لیے دیکھو عصمت الانبیاء لامام الفخر الدین رازی ص۲۴ تا ص۳۰

عصمتِ لوط علیہ السّلام پر اشکال

اشکال اوّل | هؤلاء بناتي ان كنتم فاعلين: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ لوط علیہ السّلام نے اپنی بیٹیوں کو زنا کے لیے پیش کیا۔ نبی کو یہ مناسب نہیں ہوتا۔

جواب ۱ | امام رازی نے لکھا ہے کہ اس سے مراد تعریض بنات للزنا نہیں ہے بلکہ اظہار تقبیح لواطت ہے۔

جواب ۲ | ابن حزم نے الملل والنحل میں عرض بنات کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس عرض بنات سے مراد تزویج و نکاح ہے اور کافر کے ساتھ ان کی شریعت میں نکاح جائز تھا۔

جواب ۳ | قاضی بیضاوی اور ابو سعود نے یہ جواب دیا ہے کہ بنات سے مراد بنات القوم ہے۔

جواب ۴ | وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ۔
ترجمہ: ہر پیغمبر امت کا باپ ہوتا ہے اسی وجہ سے امت کی لڑکیاں پیغمبر کی بیٹیاں سمجھی جاتی ہیں۔ اور اس کی بیویاں امت کی مائیں ہوتی ہیں۔

---

[1] عصمت الانبیاء للرازی ص۲۲ تا ۲۳: عقائد اسلامیہ للسید سابق: تفسیر کبیر للرازی

جواب۵ بنات سے مراد قوم کی بیویاں ہیں یعنی تمہارے گھر کی بیویاں میری لڑکیاں ہیں ان سے کام لو ان بیویوں پر بنات کا اطلاق اظہار شفقت کے لیے ہے۔

عصمت یوسف علیہ السّلام پر اشکال

اشکال اوّل یوسف علیہ السّلام نے حکمران بننے کے بعد ماں باپ کی خبرگیری کیوں نہ کی۔ یہ مناسب نہ تھا۔

جواب ا لعدم العلم بهما لتباين المملكة فلما علم بهما ضمهما اليه

ترجمہ: یعنی ملک کے بدلنے کی وجہ سے ان کی حیات کا علم نہ تھا جب بھائیوں کے آنے کی وجہ سے خبر ہوئی تو فوراً ان کی خبرگیری کی ہے۔

اشکال دوم یوسف علیہ السّلام نے قید سے رہا ہونے والے ساتھی سے فرمایا اذکرنی عند ربك اور یہ غیر اللہ پر اعتماد ہے جو ان کے شایان شان نہیں کیونکہ یہ بادشاہ وقت سے رہائی کا سوال ہے۔

جواب ا یہ تمسک بالاسباب الجائزہ ہے اور یہ جائز ہے۔

اشکال سوم حضرت یوسف علیہ السّلام سے اللہ کا ذکر چھوٹ گیا جیسا کہ خود قرآن مجید نے بیان کیا: فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ۔

جواب ا ضمیر منصوب متصل کا مرجع علی الاختیار وہ نوجوان ہے جو رہائی پانے والا تھا وہ یوسف علیہ السّلام کا ذکر کرنا بھول گیا تھا۔

جواب ۲ بالفرض ضمیر کا مرجع یوسف علیہ السلام بھی ہو تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ رب سے مراد پروردگار ہے اور خدا کے ہاں نسیان انبیاء گناہ نہیں۔

اشکال چہارم ولقد هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا الخ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السّلام مائل بزنا ہو گئے تھے یہ پیغمبر کی شان و عصمت کے

خلاف ہے۔

جواب ۱ آیت کے ساتھ یہ جملہ لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ : بتا رہا ہے کہ هَمَّ بها نہیں ہوا اگر برہان رب نہ دیکھتے تو شاید هَمَّ ہوجاتا۔

جواب ۲ هَمِّ یوسف علیہ السّلام میلان طبعی پر محمول ہے اور یہ عصمت کے منافی نہیں اور جیسے روزہ دار ٹھنڈے پانی کو چاہتا ہے اور اس کی طبیعت پانی کی طرف میلان رکھتی ہے مگر یہ میلان زیادہ اجر کا موجب ہے۔

اشکال پنجم یوسف علیہ السّلام نے بھائیوں کی خورجین میں سرکاری پیمانہ تو خود رکھا اور چوری کا الزام ان پر لگایا جو شان پیغمبر کے خلاف ہے۔

جواب یہ ایک تدبیر تھی جو یوسف علیہ السّلام نے اپنے خاندان کو فائدہ پہنچانے کے لیے کی تھی یہ ایک نیک مقصود تھا : نیکی کے لیے کوئی حیلہ کرنا جائز ہے بلکہ محمود ہے۔

اشکال ششم پیغمبر کے شایان شان نہیں کہ وہ عورتوں کے سامنے آجائے خصوصاً جبکہ عورتیں بے پردہ ہوں۔

جواب ۱ پردہ کا قانون شریعت یوسف علیہ السلام میں نہیں تھا بلکہ ابتدائے اسلام کے زمانے تک نافذ نہیں ہوا تھا ۵ھ ولیمہ زینب کے موقع پر آیا۔

جواب ۲ خروج یوسف علیہ السّلام بغرض دیدار نساء نہیں تھا بلکہ حکم آقا مان کر کسی کام کے لیے تھا اور ان کو معلوم بھی نہیں تھا کہ مجھے اس مقصد کے لیے یہاں سے نکلنے کو کہا جارہا ہے،

نیز یوسف علیہ السلام کی نظریں بھی نیچی تھیں۔

اشکال ہفتم وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ ۔ اس آیت میں خود حضرت یوسف نے تبریہ نفس نہیں کیا تو ہم انہیں معصوم کیسے کہہ سکتے ہیں۔

جواب ۱ آیت کا پہلا حصّہ کسر نفسی پر محمول ہے اور دوسرے نفس سے مراد نفس یوسف علیہ السلام نہیں بلکہ عام نفوس انسانی ہیں۔

جواب ۲ نفس امارہ تو ہوتا ہے مگر نفس پیغمبر مطمئنہ ہوتا ہے اور پیغمبر پر نفس امر نہیں کرتا اگر کرے بھی تب بھی پیغمبر اس کے حکم پر نہیں چلتا ، اور یہی انسانی کمال ہے کہ نفس کا حکم نہ مانے ۔

اشکال ہشتم فَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا ۔ اس آیت سے معلوم ہوا والدین یوسف و اخوان یوسف نے یوسف علیہ السّلام کو سجدہ کیا اور یہ شان نبی کے خلاف ہے ۔

جواب ۱ شریعت یعقوب علیہ السلام میں سجدہ بغرض تعظیم جائز تھا ہماری شریعت میں حرام ہے۔

جواب ۲ ابن حزم نے الملل والنحل میں اور روح المعانی میں علامہ آلوسی نے نقل کیا ہے کہ یہاں سجدے سے مراد وضع الجبھہ علی الارض نہیں ہے یعنی بلکہ سجدہ لغوی ہے تعظیم کے لیے محض جھکنا ۔

جواب ۳ علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں نقل کیا ہے کان السجدۃ للّٰہ وتشکرًا لیوسف۔ سجدہ تو اللہ تعالیٰ کو تھا مگر رخ یوسف علیہ السّلام کی طرف ہو گیا تھا کیونکہ یوسف علیہ السلام قبلہ کی جانب بیٹھے ہوئے ۔

اشکالات بر عصمتِ موسیٰ علیہ السّلام

اشکال اوّل موسیٰ علیہ السلام نے تورات اور اپنے بڑے بھائی کی بے ادبی کی ہے کیونکہ انہوں نے تورات کو زمین پر پھینک دیا اور بھائی کی داڑھی اور سر کو کھینچا ،

جواب القی الالواح کا ترجمہ پھینکنا نہیں بلکہ رکھ دینا ہے اور فَاَخَذَ بِرَأْسِ اخیہ کا ترجمہ ہے کہ بھائی کے سر کو پکڑ کر اپنی طرف متوجہ کیا ۔ نہ کہ بے ادبی کرنا مقصود تھی۔

اشکال دوم موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو قتل کر ڈالا اور قتل نفس شان پیغمبر کے خلاف ہے ۔

جواب موسیٰ علیہ السلام نے عمدًا قتل نفس کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ ان کا مقصد ایک مظلوم کی امداد کرنا تھا یہ الگ بات ہے کہ پیغمبری مُکّا قبطی کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔

اشکال بر عصمتِ یونس علیہ السّلام

اشکال اوّل یونس علیہ السلام نے بغیر حکمِ الٰہی تعین وقت عذاب کر دیا۔ ۲۔ قدرتِ خداوندی پر یقین نہ کیا۔ ۳۔ خود بھاگ گئے۔

جواب معترض نے آیت کا ظاہر مفہوم لے کر اعتراض کر دیا حالانکہ ہر جگہ آیت کا ظاہری مفہوم مراد نہیں ہوتا، بلکہ یہاں مراد ہے کہ یونس علیہ السّلام ناگوار حالات سے تنگ آکر وہاں سے ہجرت کر گئے اور اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کی بات کو رد نہیں کرتا، عذاب کی خبر دے دی۔

عصمت داؤد علیہ السّلام پر اشکالات

داؤد علیہ السلام ایک حیلے سے کسی شخص کی بیوی کو محض اس کے حسن پر فریفتہ ہو کر اپنے نکاح میں لے آئے یہ شانِ نبوت کے خلاف ہے۔

جواب ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ قصہ اسرائیلیات میں سے ہے ابن حزم لکھتے ہیں کہ زنادقہ یہود کا گھڑا ہوا قصہ ہے امام رازی نے تفسیر کبیر میں اسے جھوٹا اور ابوحیان نے بحر محیط میں موضوع کہا ہے اور قصہ نعاجہ ایک دوسرے واقعے کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ داؤد علیہ السّلام نے عبادت و عدالت اوقات اپنی مرضی سے مقرر کر رکھے تھے اس پر تنبیہ کرنے کے لیے دو فرشتوں کو بھیجا کہ تقسیم اوقات بھی میری مرضی کے مطابق ہو۔

عصمتِ سلیمان علیہ السّلام پر اشکال

۱۔ سلیمان علیہ السّلام کی گھوڑوں کی محبت کی بنا پر نماز قضا ہوگئی۔ اور پھر نماز قضا ان سے ہوئی اور سزا گھوڑوں کو دی، یہ شانِ نبوت کے خلاف ہے۔

جواب جز الف کا جواب یہ ہے کہ وہ گھوڑے جہاد کے لیے پالے گئے تھے اور ان کی دیکھ بھال

میں نماز قضا ہوگئی، تو اگر ایک عبادت میں مشغول ہوکر دوسری عبادت نسیاناً رہ جائے تو چنداں کوئی حرج نہیں۔ جذب کا جواب یہ ہے کہ تصوف میں ایسے عمل کو غیرت کہتے ہیں کہ جو چیز عبادت میں حائل ہو اسے راہِ خدا میں قربان کر دیا جائے۔

ان آیتوں کی وہ تفسیر جو علامہ آلوسی نے روح المعانی میں اور ابن حزم نے پسند کی ہے وہ یہ ہے کہ عن ذکر ربی میں عن برائے تعلیل ہے اور حجاب سے مراد اصطبل ہے مسحًا بالسوق کا معنی ہے پیار محبت سے ہاتھ پھیرنا، اور صافنات ان گھوڑوں کو کہتے ہیں جو تین پاؤں پر کھڑے ہوں۔

عصمتِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر اشکال

اشکال اوّل نبی پاک نے زینب بنت جحش سے شادی کی جو آپ کے متبنّٰی کی بیوی تھی یہ نکاح زینب کے ساتھ باطنی محبت کا مُظہر ہے جس کا اظہار وتخفی فی نفسك سے ہوتا ہے۔

۲ ۔ وتخشی الناس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم غیر اللہ سے ڈرتے تھے۔ اور یہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے۔

جواب یہ سراسر اسلام دشمنی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹا الزام ہے۔ اس نکاح کا محرک محبت زینب نہیں بلکہ ایک بری رسم کو مٹانا ہے اور وہ بری رسم یہ تھی کہ لوگ متبنّٰی کی مطلقہ سے شادی کو عیب سمجھتے تھے تو نبی پاک نے اس رسم کو مٹا دیا۔

دوسری شق کا جواب یہ ہے کہ وَتَخْشَی النَّاسَ کا مطلب یہ ہے کہ محض لوگوں کے طعنوں کا توہم تھا۔ اور کسی قسم کا خوف نہ تھا۔

اشکال دوم یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَكَ الخ: اس اشکال کے دو پہلو ہیں۔ (۱) تحریم الحلال۔ (۲) رضائے الٰہی کے مقابلے میں رضائے ازواج کو مقدم کرنا۔ یہ دونوں کام شانِ پیغمبری کے خلاف ہیں۔

جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریم الحلال نہیں کیا بلکہ ایک جائز الاستعمال شئی کو اپنے

اوپر بند کیا ہے : کہ میں آئندہ استعمال نہیں کروں گا جس کو دوسرے لفظوں میں یمین کہا جا سکتا ہے حدیث پاک میں جو الفاظ ہیں وہ لا اَعُوْدُ کے ہیں یعنی دوبارہ استعمال نہ کروں گا۔

نیز علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں لکھتے ہیں والمراد عن التحریم الامتناع۔ ۱
تحریم سے مراد رکنا استعمال بند کرنا ہے نہ کہ حرام کرنا، تو اب لِمَ تُحَرِّمُ کا ترجمہ ہوگا اے نبی تو اپنے اوپر وہ چیز کیوں بند کرتا ہے جس کا استعمال تجھ پر اللہ تعالیٰ نے حلال کر دیا ہے۔

جواب ۲ آپ نے رضائے ازواج کو رضائے الٰہی پر مقدم نہیں کیا بلکہ مابین الازواج بغض و نفرت کے انتشار کو ختم کیا ہے۔ آپ اپنی ازواج کی فطرت کو سمجھ گئے تھے۔ کہ یہ محض میری محبت میں ایسا کر رہی ہیں۔ تو حکمتاً ایسا طریقہ اختیار کرنا کہ یہ آپس میں محبت کرتی رہیں اور میرے ساتھ بھی محبت قائم ہو کوئی حرج نہیں۔

نیز آپ نے اپنی جائز خواہشات کے مقابلے میں اپنی ازواج مطہرات کی خواہشات کو مقدم رکھا اور یہ کمال ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہوتا کہ ایک آدمی اپنی خواہش کو مؤخر کرکے دوسرے کی خواہش اور مرضی کو مقدم کر دے، اپنی مرضی کے چھوڑنے کے لیے ہر شخص کو اختیار ہے۔ تو یہاں مقابلہ درمیان رضائے الٰہی اور رضائے ازواج نہیں بلکہ درمیان مرضیٔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مرضیٔ ازواج ہے۔

کمال صدق و محبت بیں نہ نقص وگناہ
ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

اشکال سوم اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ الخ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذنوب کی مغفرت فرما دی۔ اگر نبی معصوم ہوتا تو مغفرت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

جواب ۱ یہاں مجاز بالحذف ہے ای ما تقدم من ذنب امتك یعنی امت کی مغفرت قبل العذاب و بعد العذاب دونوں طریقوں سے ہو سکتی ہے امت کے گناہ کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہونے کے متعلق علامہ بدر الدین زرکشی ۲

نے برہان میں یوں ہی لکھا ہے۔
چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ امت کا شدید تعلق ہے اس لیے بعض اوقات خطاب نبی کو ہوتا ہے اور مراد امت ہوتی ہے جیسے فرمایا یا یھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن الخ اس آیت میں خطاب نبی کو ہے اور مراد امت ہے

جواب ۲ یہاں ذنب سے مراد گناہ شرعی نہیں ہے بلکہ خلاف اولیٰ امر مراد ہے ابن حزم نے الملل والنحل میں صراحت کی ہے کہ چونکہ شان پیغمبر بلند ہوتی ہے اس لیے خلاف اولی امر کو ذنب سے تعبیر کر دیا جاتا ہے حسنات الابرار سیئات المقربین۔

جواب ۳ یہ جواب تحقیق کے قریب ہے مغفرت کی نسبت جب غیر انبیاء کی طرف ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت گناہ و سزائے گناہ کے درمیان حائل ہے یعنی اگر خدا کی رحمت درمیان میں حائل نہ ہوتی تو گناہ پر اس کے نتائج مرتب ہو جاتے۔
اور جب مغفرت کی نسبت انبیاء کی طرف ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ رحمت خداوندی پیغمبر اور گناہ کے درمیان حائل ہو جاتی ہے تو آیت کا مطلب یوں ہوگا۔

لیغفر لك الله ای لیظھر ان رحمته وقعت حائلاً بینك وبین الذنب فیما تقدم وتقع ساترًا بینك وبین الذنب فیما تاخر۔ والله اعلم۔

ترجمہ: تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت کرے یعنی اپنی رحمت کو ظاہر کرے اور اس کی رحمت آپ کے درمیان اور سابقہ گناہوں کے درمیان ساتر ہے نیز مابعد نبوت کے درمیان بھی اللہ کی رحمت ساتر اور پردہ بن جائے گی۔

اشکال چہارم عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی الخ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرمایہ داروں اور کفاروں کو اپنے پاس بٹھایا اور غریب مسلمان کو اپنی مجلس سے باہر نکال دیا اور اس سے منہ موڑا۔ یہ تو شان نبوت کے خلاف ہے یہی وجہ ہے کہ آپ پر عتاب آیا۔

جواب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے بے اعتنائی کسی حکمت کی

وجہ سے تھی اس سے مقصود تحقیر سائل ہرگز نہ تھی حکمت یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منصب رسالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے تہہ دل سے یہ چاہتے تھے کہ رؤسائے قریش زیادہ سے زیادہ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں اور اس وقت ان سے توجہ ہٹانا اس مقصد میں حائل ہو سکتا تھا۔ سائل چونکہ پہلے سے نور ایمان سے منور ہو چکا تھا اور ان کے سوال کا جواب کسی دوسرے وقت بھی دیا جا سکتا تھا۔ اَلْاَهَمُّ فَالْاَهَمُّ کے قانون کے مطابق آپ نے رؤسائے قریش کے مسائل کو ترجیح دی اور اس میں کوئی حرج نہیں

رہا یہ سوال کہ پھر آپ پر عتاب کیوں نازل ہوا۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب اور علیمٌ بذات الصدور تھا۔ کہ یہ لوگ محض ضیاع وقت کر رہے تھے نہ کہ حقیقت طلبی اور حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم حقیقت کے طالب تھے۔ اس لیے یہ خلاف اولیٰ امر واقع ہوا جس پر آپ کو تنبیہ کی گئی نہ کہ عتاب کیا گیا۔

اشکال پنجم واقعہ بدر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ قافلے پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ ڈاکہ ڈالنا تو پیغمبر کی شان کے خلاف ہے۔

جواب تمام مؤرخین و سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ درحقیقت کفار مکہ وہ سامان مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے لا رہے تھے تو آپ کا ارادہ محض ان کے منصوبے کو ناکام بنانا تھا نہ کہ ڈاکہ ڈالنا اور یہ ایک فطری چیز ہے کہ ہر شخص اپنے آپ کو خطرے سے محفوظ رکھنے کے لیے ذرائع استعمال کرتا ہے اور خطرات کا سد باب کرتا ہے۔

سر چشمہ باید گرفتن بہ میل
چو پر شد نخواہد گذشتن ز پیل

احادیث دالّہ بر عصمتِ انبیاء علیہم السلام

۱۔ مسلم شریف میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حضور صلی اللہ علیہ سے روایت ہے

ما منكم من احد الا وقد وكل به قرينه من الجن الى قوله
قالوا واياك يا رسول الله قال واياى الا ان الله اعانني عليه

فاسلم فلا یامرنی الا بخیر[1]

ترجمہ: تم پر ایک ساتھی جنوں اور ملائکہ میں سے متعین ہے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر بھی؟ فرمایا میرے لیے بھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد فرمائی کہ وہ مسلمان ہوگیا، تو اب سوائے نیکی کے کوئی حکم نہیں دیتا۔

۲۔ ابن سعد نے حضرت قتادہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کیا ہے۔

اذا اراد اللہ ان یبعث نبیًا نظر الی خیر الارض قبیلۃ فبعث خیرھا رجلاً الخ[2]

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی نبی کے بھیجنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو زمین کے سب سے بہتر قبیلہ کی طرف نظر فرماتے ہیں اور ان کے بہترین شخص کو مبعوث فرماتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر نبی پوری زمین کا خیرِ مجسّم ہوتا ہے اور خیرِ مجسّم وہی ہوتا ہے جو معصوم ہو۔

۳۔ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال انما انا رحمۃ مھداۃ[3]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں تو صرف رحمت مجسم ہوں جو بطور تحفہ بھیجا ہوا ہوں۔

۴۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قیل یا رسول اللہ ادع علی المشرکین قال انی لم ابعث لعانا وانما بعثت رحمۃ[4]

---

[1] جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۷۱

[2] کنز العمال ج ص ۱۱۹

[3] مشکوٰۃ ص ۵۱۴

[4] مشکوٰۃ ص ۵۱۴

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ مشرکین کے لیے بددعا اور لعنت کیجئے: فرمایا میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

جو ذات سراپا رحمت ہو اس قدر مہذب و شائستہ ہو اس سے گناہ بدتمیزی اور بدتہذیبی کا صدور کیسے ممکن ہو سکتا ہے کسی وقت بھی ممکن نہیں نہ نبوت سے قبل اور نہ نبوت کے بعد۔

۵۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی پورے عرب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب صادق و الامین تھا جو تاریخ و سیرت میں درجہ تواتر کو پہنچا ہوا ہے والفضل ما شهدت به الاعداء۔ بچپن جوانی بڑھاپا سب جن کے سامنے گزرا اور اس قدر مخالفت کہ کسی برائی سے دریغ نہ کریں اگر کوئی ایک بات بھی انگلی رکھنے کو ملتی تو نہ چوکتے۔ مگر وہ آپ کو صادق کنواری لڑکیوں سے زیادہ حیادار اور صاحب امانت مانتے تھے۔

۶۔ عن عائشة قالت ما خير رسول الله صلى الله عليه بين امرين قط الا اخذ ايسرهما ما لم يكن اثما فانه كان ابعد الناس عنه وما انتقم رسول الله صلى الله عليه وسلم لنفسه فى شئ قط الا ان ينتهك حرمة الله فينتقم اذا بها[1]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو کاموں میں سے آسان کام کو اختیار فرماتے جب تک کہ وہ گناہ نہ ہو اور اگر وہ گناہ ہوتا تو آپ سب لوگوں سے زیادہ اس سے دور ہوتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا لیکن اللہ تعالیٰ کی حرمت پر حملہ ہوتا تو اس وقت بدلہ لیتے۔ گناہوں سے دور ہونا اور ذات کا بدلہ نہ لینا گناہ سے معصوم ہونے کی کھلی شہادت ہے۔

۷۔ ما افترق الناس فرقتين الا جعلنى الله فى خيرهما فاخرجت

---

[1] بخاری و مسلم ص۴۲۴

من بین ابوی فلم یصبنی شئ من اھل الجاھلیۃ وخرجت من نکاح ولم اخرج من سفاح من لدن آدم حتی انتھیت الی ابی وامی[1]

ترجمہ: لوگ جب بھی دو فرقوں میں بٹے تو مجھ کو اللہ تعالیٰ نے دونوں کے خیر میں رکھا میں اپنے ماں باپ سے پیدا کیا گیا ہوں اہل جاہلیت والوں کی کوئی بات مجھ تک نہیں پہنچی اور میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں نہ سفاح سے میں آدم سے لے کر اپنے ماں باپ تک اسی طرح ہوتا ہوا پہنچا ہوں۔

یہ دلیل ہے کہ حضرت آدم سے لے کر حضرت عبداللہ و آمنہ تک پاک طریقہ سے اور زمانہ جاہلیت کی تمام آلودگیوں سے ہمیشہ پاک صاف رہے اس لیے نبوت تو کیا اول دن سے ہی معصوم ہیں پاک ہیں اور حرام کی آلائشوں سے قطعاً محفوظ رہے ہیں۔

۸۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کیا ہے۔

لا ینبغی لاحد ان یقول انا خیر من یحییٰ بن زکریا ماھم بخطیئۃ احسبہ قال ولا عملہ[2]

ترجمہ: کسی کو یہ کہنا درست نہیں ہے کہ میں یحییٰ بن زکریا علیہ السلام سے افضل ہوں انہوں نے کسی گناہ کا تخیل بھی نہیں کیا اور نہ عمل کیا جن انبیاء کا یہ حال ہو تو ان سے گناہ کیسے صادر ہو سکتا ہے۔

۹۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسلام سے قبل ہرقل بادشاہ کے سامنے اس بات کا اقرار کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہت شریف خاندان کے ہیں اور نہ ہی ہم ان پر اس سے قبل کبھی جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے حدیث بہت طویل ہے، اس سے واضح ہوا کہ ابوسفیان جو اس وقت

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۲۳۷

[2] جمع الفوائد للبزاز ج ۲ ص ۱۷۶

کفار کا سرغنہ تھا کافروں کے ملک میں کافروں کے مجمع میں قسم کھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شریف اور پاک وصاف ہونے کی گواہی دے رہا ہے۔ دشمن کو ذراسی بات بھی ملتی ہے تو وہ فوراً کہہ ڈالتا ہے۔ اگر کوئی بات ہوتی تو ابوسفیان ضرور کہتا۔

اقوال علماءِ امّت درعصمت انبیاء علیہم السّلام

حضرت امام ابوحنیفہؒ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔

الانبیاء علیھم السّلام کلھم منزھون من الصغائر و الکبائر والکفر والقبائح۔

ترجمہ: حضرات انبیاء علیہم السّلام سب کے سب صغیرہ کبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں اور کفر اور گندی باتوں سے پاک ہیں۔

علامہ ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں تحریر فرماتے ہیں۔

ثم ھذہ العصمۃ ثابتۃ للانبیاء قبل النبوۃ و بعدھا علی الاصح۔

ترجمہ: پھر یہ سب گناہوں اور گندگیوں سے معصوم ہونا سب انبیاء کے لیے قبل از نبوت و بعد النبوت ثابت ہے۔

اور حضرت موصوف نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں بھی فرمایا ہے کہ انبیاء کرام نبوت سے قبل اور نبوت کے بعد کبیرہ و صغیرہ گناہوں سے بھی معصوم ہیں اگرچہ سہواً ہی ہوں، اور یہی بات محققین کے نزدیک حق ہے۔

قاضی ابویعلی محمد بن الحسین اپنی تصنیف المعتمد فی اصول الدین ص۲۴۷ میں فرماتے ہیں۔

ونبینا صلی اللہ علیہ وسلم کان معصومًا فیما یودی عن اللہ تعالیٰ وکذالك سائر الانبیاء الخ

ترجمہ: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السّلام معصوم تھے تمام فرائض الٰہیہ کی ادائیگی میں یعنی اوامر پر عامل تھے اور نواہی سے مجتنب تھے۔

قاضی ابوبکر ابن العربی احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۶۸ میں تحریر فرماتے ہیں کہ عصمت انبیاء علیہم السلام پر سب کا اتفاق ہے کسی نے بھی انبیاء کا ذکر بغیر اچھائی کے نہیں کیا۔ اور نہ ہی کسی کی طرف کسی برائی کی نسبت کی ہے اور فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کا ظاہر و باطن برابر ہوتا ہے۔

علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح عقائد کے حاشیے میں صفحہ ۱۳۶ پر تحریر فرمایا ہے۔

وفی ھذا اشارۃ الی ان الانبیاء علیھم السلام معصومون۔

ترجمہ: اور اس میں اشارہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔

صرف فرقہ جھمیہ کا اختلاف ہے۔

علامہ عصام رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ علی الخیالی پر تحریر فرمایا ہے ص ۱۳۶

وفی ھذا اشارۃ الی ان الانبیاء معصومون عن الذنب خصوصا عن الکذب الی قولہ معصومون عن الکفر قبل الوحی وبعدہ بالاجماع وکذا عن تعمد الکبائر عند الجمھور فانہ یقتضی ان یکون الکلام فی سائر الذنوب بعد الوحی وقبلہ۔

ترجمہ: اور اس میں اشارہ ہے کہ تمام انبیاء گناہوں سے معصوم ہیں خصوصاً کذب فی الوحی والتبلیغ سے قبل الوحی بھی اور بعد الوحی بھی بالاجماع۔

نیز عند الجمہور تعمّد کبائر سے بھی معصوم ہیں اور شرح مواقف کی یہ بحث اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ انبیاء تمام گناہوں سے پاک ہیں بعد الوحی وقبل الوحی۔

نبراس صفحہ ۵۲۴ پر اسی طرح کے اقوال مذکور ہیں۔

خطبات حکیم الاسلام قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند جلد اول صفحہ ۲۶ میں مذکور ہے "سیرۃ مقدسہ میں سب سے پہلا جز جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کا آتا ہے وہ عصمت ہے اہل سنت والجماعت اور مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام نبوت ملنے سے پہلے بھی معصوم ہوتے ہیں اور نبوت ملنے کے بعد بھی۔ کیونکہ ارشاد الٰہی ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ کہ رسول کی زندگی تمہارے لیے نمونہ ہے اگر نبی کی زندگی میں کوئی ادنیٰ گناہ کا تصور ہو تو اس کی زندگی نمونہ نہیں بن سکتی۔ نمونہ اسی وقت بن سکتی ہے کہ نبی کا ظاہر

قول وفعل اتنا پاک اور مقدس ہو کہ اس میں نافرمانی تک کا شائبہ بھی نہ ہو کسی معصیت کا احتمال نہ ہو اگر نبی کی زندگی میں گناہ کا احتمال ہو تو وہ زندگی بے اعتبار ہو جائے گی اس لیے انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ معصوم پیدا فرماتے ہیں۔ ان سے گناہ کبھی نہیں ہو سکتا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ سب سے پہلے تو انبیاء علیہم السلام کی طینت اور مادہ اتنا پاک رکھا جاتا ہے کہ اس کے اندر گناہ کی کھپت نہیں ہوتی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انبیاء پیدا تو کیے جاتے ہیں مٹی سے لیکن ان کی مٹی میں غالب حصہ جنت کی مٹی کا ہوتا ہے اب ظاہر ہے کہ جب جنت کی مٹی کا عنصر شامل کر دیا گیا اور دنیا کی مٹی معمولی درجہ میں ہے۔ جنت کی مٹی میں طہارت پاکیزگی ہے لطافت اور نورانیت ہے تو گویا انبیاء جنتی الاصل ہوتے ہیں اور ہماری اصل دنیا ہے ہم اپنی اصل کی طرف رجوع کرتے ہیں تو گناہ کی لذتوں کی طرف بڑھتے ہیں اور انبیاء اپنی اصل کی طرف رجوع کرتے ہیں تو وہ پاکی طہارت نیکی اور تقویٰ و تقدس کی طرف بڑھتے ہیں مثل مشہور ہے۔ كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ إِلَىٰ أَصْلِهِ ایک اور کہاوت ہے کہ جو آدمی نیک ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ بہت نیک طینت آدمی ہے جو اگر پاک ہوگا تو پھر اس سے افعال بھی پاک سرزد ہوں گے اور جوہر میں اگر کدورت ہو تو افعال میں بھی کدورت ہوتی ہے تو انبیاء کرام کی طینت پاک ہے اس لیے ان کے افعال شروع ہی سے پاک ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ شریعت جو اترتی ہے تو نبی کی طبیعت پر اترتی ہے جتنے افعال انبیاء سے صادر ہوتے ہیں وہ شریعت بنتے ہیں اور امتی کے لیے اسوۂ حسنہ بنتے ہیں۔

عصمتِ انبیاء کا دوسرا جز

دوسری بات یہ ہے کہ انبیاء کرام کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے جلال وجمال کا مشاہدہ ہوتا ہے ان کا قلب ہر وقت اللہ میں منہمک اور محبت میں غرق رہتا ہے اور ظاہر بات ہے کہ بادشاہ کے دربار میں اگر آپ جائیں اور نگاہوں کے سامنے بادشاہ ہو تو کیا آپ کو تصور آئے گا کہ آپ اس بادشاہ کی خلاف ورزی کریں۔ جب ایک معمولی بادشاہ کے مشاہدہ کا انسان پر اثر پڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات کا جس کو ہر وقت مشاہدہ ہو تو کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر آمادہ

ہو کس طرح ممکن ہے کہ وہ منشاحق کے خلاف کرے اس واسطے انبیاء کرام مشاہدہ کے سبب سے معصوم ہوتے ہیں ۔

عصمتِ انبیاء کا تیسرا جز

اور تیسری بات یہ ہوتی ہے کہ انبیاء کرام کے لیے حفاظت خداوندی بھی شامل ہوتی ہے اگر کسی وقت بشریت کے تقاضے سے طبیعت مائل بھی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت ہوتی ہے نبی گناہ کر ہی نہیں سکتا ، جیسے یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ زلیخا نے جب سات کمرے بند کر دیے اور یوسف کو اپنی طرف بلایا یوسف علیہ السلام کا بتقاضۂ بشریت میلان کا خطرہ ہوا اللہ تعالیٰ نے فوراً برہان رب دکھایا اور یوسف علیہ السلام اس میلان سے بھی محفوظ رہے ارادہ سے بھی محفوظ رہے ۔ تو یہ برہان رب حفاظت خداوندی تھی ۔ معلوم ہوا کہ جیسے انبیاء کرام کی طینت پاک ہے اور جیسے مشاہدہ جمال وجلال الٰہی کی وجہ سے نافرمانی حق نہیں کرسکتے اسی طرح حفاظت خداوندی بھی شامل حال ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ان کو محفوظ رکھتا ہے ۔

حفاظت خداوندی کا ایک اور واقعہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری عمر چودہ سال کی تھی کہ قریش مکہ میں ایک شادی ہوئی اور شادی بڑے گھرانے کی تھی ۔ اس میں رقص و سرور کے لیے مغنّیات کو بلایا گیا تھا قریش کے کچھ میرے ہم عمر جوان تھے جو مجھے بھی شادی میں مجبور کرکے لے گئے ۔ تو کھیل تماشے شروع ہونے کا وقت رات کو تھا تو فرماتے ہیں کہ میں جا کر بیٹھا ابھی ناچ گانے شروع نہیں ہوئے تھے کہ مجھ پر اتنی شدید نیند طاری ہوئی کہ ساری رات میں سوتا رہا مجھے خبر بھی نہ ہوئی ناچ ہوا یا گانا ہوا ۔ پوری رات اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت فرمائی اور میں جب اٹھا تو سننے میں آیا کہ بہت گانے باجے بجے ۔ مجھے کسی کی بھی کچھ خبر نہیں ۔ یہ تھی حفاظت خداوندی ۔

دوسرا واقعہ

آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ بہت شدت کی بارش ہوئی اتنی بارش کہ مکان گر گئے ۔ اور کعبۃ اللہ کی دیواریں بھی بوسیدہ ہوگئیں ۔ قریش نے

مشورہ کیا کہ اس کی دوبارہ تعمیر کریں، اب وہ جمع ہوئے انہوں نے سوچا کہ ہم ان کپڑوں میں گناہ کرتے ہیں لہذا انکو اتار کر کعبۃ اللہ کی تعمیر کرنی چاہیے، اب انہوں نے کپڑے اتار دیے اور ننگے ہو گئے۔ تو مجھے بھی انہوں نے کہا تم بھی ننگے ہو جاؤ مگر میری طبیعت نے پسند نہ کیا۔ میں نے انکار کر دیا۔ تو انہوں نے زبردستی میرے کپڑے اتارنے چاہے تو مجھ پر ایسی غشی طاری ہوئی کہ میں زمین پر گر پڑا افاقہ اس وقت ہوا جب تعمیر مکمل ہو چکی تھی۔ حق تعالیٰ نے مجھے برہنہ ہونے سے محفوظ رکھا[1]

انبیاء میں عصمت جبری نہیں ارادی ہے

تو عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نبی میں بنیادی چیز عصمت اور معصومیت ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حق تعالیٰ مجبور کرتے ہیں بلکہ کمال تو یہ ہے کہ اپنے ارادے سے بچیں مجبور ہو کر بچنا کوئی کمال نہیں، تو اس کی صورت میں نے عرض کی ہے کہ انبیاء معصیت کا ارادہ ہی نہیں کرتے کیونکہ ان کے جوہروں میں معصیت کی طلب ہی پیدا نہیں ہوتی جب طینت پاک اور جنت کی ہو اور ہر وقت جمال و جلال الٰہی کا مشاہدہ ہو اور مزید یہ کہ خود حق تعالیٰ کی حفاظت شامل ہو تو انبیاء سے کیسے گناہ سرزد ہو سکتا ہے، اس لیے تمام جمہور علماء اہلسنت کا مسلک ہے کہ عصمت صرف انبیاء اور ملائکہ کا خاصہ ہے کسی اور فرد یعنی ائمہ یا اولیاء کا خاصہ نہیں ہے بعض فرقے ائمہ میں بھی یہ خاصیت مانتے ہیں۔

مگر ان کی بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔

دُعا آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان نفوس قدسیہ کے ساتھ صحیح محبت رکھنے کی توفیق بخشے اور ان کی اطاعت کی ہمت عطا فرما دے۔ آمین

---

[1] خطبات حکیم الاسلام ج اول ص ۳۷